ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

مئی ۱۹۹۹ء

پانچویں آل پاکستان صنعتی نمائش ۱۹۹۹ء منعقدہ ایوانِ محمود ربوہ کے افتتاحی مناظر۔ محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نے افتتاح فرمایا

صنعتی نمائش کی اختتامی تقریب۔ مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد (دعوت الی اللہ) مہمانِ خصوصی نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والوں کو انعامات دیتے ہوئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ **خالد** ربوہ

ہجرت 1378 ہش

مئی 1999ء

★★★★

ایڈیٹر:
سید مبشر احمد ایاز

جلد 46 شمارہ 8

فہرست مضامین

رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی۔ ربوہ

مینیجر: مبارک احمد خالد

قیمت۔/7 روپے ★ سالانہ۔/70 روپے

پبلشر: مبارک احمد خالد۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ

اداریہ

خلافت کی نعمت

خلافت ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جتنا بھی اس کی اہمیت کے بارے میں سوچیں اتنا ہی کم ہے اس کی اہمیت اتنی ہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سینکڑوں ہزاروں غم ہیں' دکھ ہیں' پریشانیاں ہیں' جس سے یہ نعمت نجات دلاتی ہے۔ ہزاروں تاریکیاں ہیں' ہولناک اور خطرناک۔ جن سے خلافت کا یہ نور بچاتا ہے۔

کبھی غور کریں کہ بھیڑوں کا ایک گلہ ہو جنگل میں۔ اور آپ کو علم ہو کہ اس کا کوئی نگران نہیں' کوئی نگہبان نہیں تو وہ بھیڑیں تو جیتے جی ہی مر گئیں۔ ان کا کیا انجام ہو گا۔ گو کہ کم عقل والے کو یہ نظر آئے گا کہ آزاد ہیں۔ کس طرح آزادی سے گھوم پھر رہی ہیں حالانکہ یہ وہ آزادی ہے کہ جس نے ان کی ہلاکت مقدر کر رکھی ہے۔ کوئی بھی خطرناک جانور جب چاہے' جس بھیڑ کو چاہے اٹھا لینے میں آزاد ہے' بلا روک و ٹوک۔ کیونکہ ان کا کوئی چرواہا نہیں۔

تو اس پہلو سے ہی صرف اگر دیکھا جائے تو دنیا میں کوئی قوم' کوئی جماعت ایسی نہیں کہ جو ایک شخص کی نگرانی میں ہو۔ ہر کوئی بظاہر آزاد ہے۔ جب چاہے' جو جی میں آئے کرتا ہے لیکن یہ آزادی کتنی ہولناک ہے کہ اس کا کوئی راہنما نہیں۔ اس کا کوئی غمخوار ہی نہیں۔ وہ سارا بوجھ خود ہی اٹھا کر چل رہا ہے لیکن نہیں معلوم کہ کہاں جائے گا۔ اس کو تو راہنمائی کرنے والا ہی نہیں ہے۔ اگر وہ پریشان ہو گا تو کوئی ہمدردی کرنے والا نہیں۔ بیمار پڑ گیا تو پرسان حال نہیں۔ مر گیا تو غمخوار نہیں۔ یہ حال ہے اس قوم کا۔ اس جماعت کا جس کا کوئی نگران نہیں۔ ایک بے کس و بے سہارا' لاچار یتیموں کی طرح۔

اس پہلو سے دیکھیں تو خدا کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ہمیں خلافت کے سائے میں پناہ مل گئی۔ ہمارا ایک خلیفہ ہے۔ وہ ہمارا غمخوار ہے' ہمارا ہمدرد ہے۔ وہ باپ ہے ہمارا' وہ راہنما ہے ہمارا' اسے ہمارا فکر ہے' ایسا کہ باپ کو بھی کیا ہو گا۔ اسے ہمارا درد ہے اور محبت ہے۔ ایسا کہ ماں کو بھی کیا ہو گا۔

بخدا یہ حقیقت ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی محبت' اس کے درد کو بیان کرنے کے لئے الفاظ چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ وہ محبتوں کا بحر بے کنار ہے اور واقعی یہ بھی سچ ہے کہ اصل آزادی تو ہم لوگوں کو ہے جو خلافت کی نگرانی میں ہیں کہ بڑے ہی اطمینان سے چل پھر رہے ہیں۔ ہم سوتے ہیں تو وہ ہمارے لئے جاگتا ہے۔ ہم بے فکر ہوتے ہیں لیکن وہ ہمارے لئے فکر مند ہوتا ہے۔ حضرت مصلح موعود خلیفہ المسیح الثانی نے اسی اہمیت اور دوسروں کے ساتھ فرق کو بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:۔

"تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا' تمہاری محبت رکھنے والا' تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا' تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا' تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے...... تمہارا اسے فکر ہے' درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولیٰ کے حضور تڑپتا رہتا ہے لیکن ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے"۔ ("برکات خلافت" انوار العلوم جلد ۲۔ صفحہ ۱۵۶)

پس خلافت کی نعمت کو اس پہلو سے بھی سوچا جا سکتا ہے۔ سوچیں تنہائی کے کسی لمحے میں۔ غور کریں اور خدا کے حضور آنسوؤں کی نذر شکرانے کے طور پر پیش کریں اور دعائیں کریں کہ خدا ہمیں یہ سایہ تا قیامت نصیب کرے۔ اور ہاں۔ وہاں "اس" کو کبھی نہ بھولیں' کبھی نہیں' وہ' وہ جو

ان گنت راتیں جو تیرے درد سے سویا نہیں

کلام الامام امام الکلام

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:- "کیا تم کو یہ بات منہ سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی جس کے دیکھنے سے بھی طبیعتیں کراہت کرتی ہیں وہ اپنی ظاہری صورت اور باطنی ترکیب میں ایسی بے مثل ہے کہ اس پر نظر کرنے سے اس کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہے لیکن خدا کے کلام کی فصاحت اور بلاغت ایسی بے نظیر نہیں ہو سکتی جس پر نظر کرنے سے اس کلام کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو۔ غافلو اور عقل کے اندھو! کیا تمہارے نزدیک خدا کے کلام کی فصاحت و بلاغت مکھی کے پروں اور پاؤں سے بھی درجہ میں کمتر اور خوبی میں فروتر ہے۔ کیا افسوس کا مقام ہے کہ ایک مچھر کی ترکیب جس کی نسبت تم صاف اقرار کرتے ہو کہ ایسی ترکیب انسان سے نہیں بن سکتی اور نہ آئندہ بنے گی لیکن کلام الٰہی کی نسبت کہتے ہو کہ وہ بن سکتی ہے بلکہ بطور بحث اور مجادلہ کے یہ حجت پیش کرتے ہو کہ گو اب تک کوئی انسان اس کے بنانے پر قادر نہیں ہوا مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ آئندہ بھی قادر نہ ہو۔ نادانو! اس کا وہی ثبوت ہے کہ جس کو تم مچھر اور مکھی میں اور درختوں کے ہر ایک پتے میں خوب سمجھتے اور تسلیم کرتے ہو مگر اس ربانی نور کے دیکھنے کے وقت تمہاری آنکھیں الو کی طرح اندھی ہو جاتی ہیں یا دھندلا جاتی ہیں اس لئے تم کس طینتی سے مکس ہی کی عظمت کے قائل ہو خدا کے نور کی عظمت کے قائل نہیں۔ جن لفظوں کو کہتے ہو کہ معانی کی طرح وہ بھی خدا ہی کے منہ سے نکلے ہیں۔ ان کو تم اس لعاب کے برابر نہیں سمجھتے کہ جو مکھی کے منہ سے نکلتا ہے یعنی تمہارے نزدیک انسان شہد بنانے پر تو قادر نہیں پر خدا کے کلام کے بنانے پر قادر ہے۔ تمہاری نگاہ میں کیڑے مکوڑے کیسے بچ گئے اور ایسے من کو بھاگئے کہ خدا کی کلام ان کی مانند بھی نہیں۔ جاہلو! اگر خدا کی کلام بے مثل نہیں تو کیڑوں اور درختوں کے پتوں کے بے مثل ہونے کی تم کو کہاں سے خبر پہنچ گئی۔ تم ذرا سوچتے نہیں کہ اگر کلام ربانی کی ترکیب میں ایک کیڑے کی ترکیب جتنی بھی کمالیت نہیں تو گویا یہ خدا پر ہی اعتراض ٹھہرا۔ جس نے ادنیٰ کو اعلیٰ سے زیادہ تر شرف دے دیا اور ادنیٰ کو اپنی ذات پر وہ دلالتیں بخشیں کہ جو اعلیٰ کو نہیں۔

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدور انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نور حق کا اس پہ آساں ہے

ارے لوگو! کرو کچھ پاس شان کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذات واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۱۸۶ تا ۲۰۴)

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے گلِ رعنا ــ خلیفۃ المسیح کی آنکھ کے تارے

جواں سال وحسین ودلکش صورت وسیرت کے مالک ــ

محترم صاحبزادہ مرزا غلام قادر احمد صاحب کو شہید کر دیا گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مورخہ ۱۴۔ اپریل کو دن کے ۹ بجے کے قریب خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے یہ روشن چراغ، ذہین اور فدائی واقفِ زندگی دہشت گردوں کی کارروائی کا نشانہ بنے ــ

آپ محترم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب کے صاحبزادے، محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے بھتیجے، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے پوتے تھے ــ اور حضرت سید میر داؤد احمد صاحب کے داماد تھے۔

محترم صاحبزادہ صاحب ۲۱۔ جنوری ۱۹۶۲ء کو پیدا ہوئے۔ ایبٹ آباد کے پبلک سکول سے میٹرک کیا وہیں سے ایف۔ ایس سی پشاور بورڈ میں اول پوزیشن میں پاس کی۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے بی۔ ایس سی الیکٹریکل انجینئرنگ کی ڈگری پائی۔ بعدازاں امریکہ تشریف لے گئے اور ورجینیا کی جارج میسن یونیورسٹی سے کمپیوٹر سائنس میں ایم۔ ایس سی کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی۔

کمپیوٹر کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد واقفِ زندگی ہونے کی بناء پر خدمت کے لئے آپ ربوہ واپس تشریف لے آئے اور تحریکِ جدید میں پہلی بار شعبۂ کمپیوٹر قائم کیا۔

اس وقت متعدد جماعتی دفاتر میں مختلف شعبہ جات کے کمپیوٹر پروگرام بڑی محنت اور مہارت سے تیار کئے ہوئے تھے جو آپ کی نگرانی میں کام کر رہے تھے ــ

اسی طرح ایسوسی ایشن آف احمدی کمپیوٹر پروفیشنلز کے بھی بانی سرپرست اور بانی چیئرمین تھے ــ

اس وقت عرصہ دو سال سے ربوہ کے سیکرٹری وقفِ نو تھے اور ربوہ کے ساڑھے تین ہزار واقفینِ نو کی تربیت واصلاح جیسے مشکل کام کو انتہائی منظم طریق پر چلا رہے تھے ــ

خدام الاحمدیہ کے حوالے سے آپ معاون صدر، مہتمم تجنید، مہتمم مال اور مہتمم مقامی کے عہدوں پر فائز رہے۔ اس کے علاوہ خدام الاحمدیہ کی متعدد کمیٹیوں میں اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا اور خدام الاحمدیہ میں جب پہلی بار ۱۹۹۰ء میں کمپیوٹر لایا گیا ــــ جس پر خالد اور تشحیذ کی کمپوزنگ شروع ہوئی تو محترم صاحبزادہ صاحب انتہائی لگن، محنت سے کمپیوٹر کا سارا کام اپنی نگرانی میں کرواتے رہے ــــ اور ہمیشہ آخر تک آپ کے مفید مشورے اس شعبہ کی راہنمائی کرتے رہے۔

آپ کے پسماندگان میں اہلیہ محترمہ سیدہ امۃ الناصر صاحبہ بنت حضرت سید میر داؤد احمد صاحب اور چار بچے ہیں۔

بوڑھے صابر و باہمت والدین کے علاوہ دو بھائی اور تین بہنیں ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ۱۶ اپریل کو بیت الفضل لندن میں تاریخ ساز خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور صاحبزادہ صاحب کی سیرت، اور اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپ کو اپنے دورِ خلافت کا منفرد شہید قرار دیا ــــ

ادارہ خالد سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، خاندان حضرت اقدس کے افراد، آپ کے والدین، بہن بھائیوں، اہلیہ صاحبہ اور بچوں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانے والے کی برکتوں کے ثمرات سے ساری جماعت کو متمتع فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی جب کہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اس وقت (دین حق) کی عزت بچانے کیلئے اور بطلان کا استیصال کرنے کیلئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی۔ فرقان کے بھی یہی معنی ہیں یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی اس لئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب الٰہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کردیں۔ بڑے تعجب کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتنا اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔ اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔"

(الحکم جلد ۴ نمبر ۳۷ مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۰ء صفحہ ۵)

صاحبزادہ مرزا غلام قادر احمد صاحب کی شہادت پر مجلس خدام الاحمدیہ

پاکستان کی قرارداد تعزیت

یہ خبر نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ سنی گئی کہ محترم صاحبزادہ مرزا غلام قادر صاحب کو ۱۴ اپریل ۱۹۹۹ء کو دہشت گردوں نے دردناک طریقہ سے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کو ۱۴ اپریل کی صبح اپنے زرعی فارم سے اغوا کیا گیا اور دشمنوں کی گہری اور بھیانک سازش کا علم پا کر جب آپ نے مزاحمت کی تو اپنے ساتھ لے جانے میں ناکام ہونے پر آپ کو سخت اذیتیں پہنچانے کے بعد آپ پر گولی چلادی گئی۔ سخت زخمی حالت میں آپ کو ہسپتال لے جایا گیا جہاں آپ نے جام شہادت نوش کر لیا۔

صاحبزادہ مرزا غلام قادر احمد صاحب محترم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اور صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ کے بیٹے، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے پوتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پڑپوتے تھے نیز حضرت نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب کے نواسے تھے۔

آپ ۲۱ جنوری ۱۹۶۲ء کو پیدا ہوئے۔ ایبٹ آباد کے پبلک سکول سے میٹرک کیا اور ایف۔ ایس۔ سی کے امتحان میں پشاور بورڈ میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اس کے بعد انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور سے بی۔ ایس۔ سی الیکٹریکل انجنیئرنگ کی ڈگری لی۔ بعد ازاں کمپیوٹر سائنس کی اعلیٰ تعلیم کے حصول کی خاطر آپ امریکہ تشریف لے گئے اور ورجینا کی جارج میسن یونیورسٹی سے ایم۔ ایس (کمپیوٹر سائنس) کی ڈگری حاصل کی اور واقف زندگی ہونے کی حیثیت سے واپس ربوہ تشریف لے آئے اور کمال درجہ کی محنت و جانفشانی اور لگن کے ساتھ کمپیوٹر سائنس کے جدید علم کو جماعت کی ترقی اور خدمت کے لئے اس طرح استعمال کرنا شروع کیا کہ جماعت احمدیہ پاکستان کو اس میدان میں دنیا کی ترقی یافتہ ترین ممالک کی جماعتوں کے برابر لا کھڑا کیا۔

آپ نے صدر انجمن احمدیہ، تحریک جدید، فضل عمر ہسپتال اور دیگر اداروں کے لئے بہت تھوڑے وقت میں کمپیوٹر پروگرام تیار کئے۔

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ شہادت کے عظیم تر مقام پر فائز ہونے والے اس جوان رعنا کی ذہانت اور محنت سے فائدہ حاصل کرتی رہی۔ آپ نے معاون صدر، مہتمم تجنید، مہتمم مال اور مہتمم مقامی جیسے اہم عہدے پر اپنی خداداد صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا۔

۱۹۹۰ء میں خدام الاحمدیہ کے اولین شعبہ کمپیوٹر کی نگرانی بھی آپ نے فرمائی اور آپ کے مفید اور ماہرانہ مشوروں سے آخر وقت تک شعبہ کمپیوٹر مستفید ہوتا رہا۔

آپ جماعت احمدیہ میں پہلی بار قائم ہونے والی "ایسوسی ایشن آف احمدی کمپیوٹر پروفیشنلز" کے بانی سرپرست اور بانی چیئرمین تھے۔

محترم صاحبزادہ صاحب کی خدمات کا سنہرا باب آپ کی وہ خدمات بھی ہیں جو کہ سیکرٹری وقف نو ربوہ کے طور پر عرصہ دو سال سے آپ بجالا رہے تھے۔ ربوہ کے ساڑھے تین ہزار کے قریب واقفین نو کی منظم رنگ میں تربیت و اصلاح کے اہم فریضہ کو خوش اسلوبی لیکن خاموشی سے احسن رنگ میں ادا کرنا آپ کی ذہانت، محنت اور عاجزی وانکساری کا روشن اور قابل رشک پہلو ہے۔

خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پہلے شہید کا اعزاز پانے کے ساتھ ساتھ خلافت رابعہ کے احمدی شہداء میں سے ممتاز ترین اور منفرد مقام پانے کا سہرا بھی آپ کے سر پر سجا۔ غلام قادر شہید نے اپنے خون سے گلشن احمدیت کی آبیاری کی اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے جہاں خود حیات جاودانی حاصل کی وہاں سینکڑوں ہزاروں معصوم لوگوں کی زندگیوں کا سامان کر دیا۔

حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے تاریخی خطبہ فرمودہ ۱۶ اپریل ۱۹۹۹ء میں شہید موصوف کے مقام کا تذکرہ کرتے ہوئے غیر معمولی محبت کے رنگ میں اس طرح فرمایا:۔

"..... اس شہادت کا یہ پہلو میں سمجھتا ہوں کہ قیامت تک شہید کے خون کے ہر قطرے کو آسمان احمدیت پر ستاروں کی طرح جگمگاتا رہے گا۔ مجھے اس بچے سے بہت محبت تھی۔ میں اس کی خوبیوں پر گہری نظر رکھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ کیا چیز ہے۔ اس وجہ سے میں اس سے بہت ہی پیار کرتا تھا۔ یہ میری آنکھوں کا بھی تارا تھا..... کبھی آج تک ناز اور غم کے جذبات نے مل کر میرے دل پر ایسی یلغار نہیں کی۔ ناز بھی ہے اور غم بھی ہے.....

پس اے شہید تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور ہم سب ایک دن آ کے تجھ سے ملنے والے ہیں۔ زندہ باد غلام قادر شہید پائندہ باد۔"

ہم ممبران مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان سیدنا حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے اور آپ کے لواحقین، والد محترم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب، والدہ محترمہ صاحبزادی قدسیہ بیگم صاحبہ، آپ کی سوگوار اہلیہ صاحبزادی سیدہ امۃ الناصر نصرت صاحبہ بنت سید میر داؤد احمد صاحب، آپ کے بھائی مکرم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب، آپ کی بہنوں محترمہ نصرت جہاں صاحبہ، محترمہ در ثمین احمد صاحبہ اور محترمہ فائزہ احمد صاحبہ اور آپ کی خوشدامنہ صاحبزادی امۃ الباسط صاحبہ اور برادر نسبتی محترم میر سید قمر سلیمان احمد صاحب سمیت جملہ افراد خاندان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔

اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں کہ مولا کریم اپنے فضل اور رحم کے ہاتھوں سے شہادت کا یہ نذرانہ قبول فرمائے

اور جماعت کے حق میں اور آپ کے خاندان کے حق میں اس کو ہزاروں برکات کا موجب اور مثمر بثمرات حسنہ بنائے۔ آپ کے بوڑھے والدین کے صبر و ہمت کو جوان کرے، آپ کی اہلیہ محترمہ کو دور اولین کی صابرو شاکر خواتین مقدسہ کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق دیتا رہے۔ خدائے رحیم و ودود کی محبت اور پیار ان کے زخموں کا پھاہا بن جائے۔ مولائے حقیقی کی رحمت و شفقت ان کے چار معصوم بچوں کے لئے باپ کی شفقت سے بڑھ کر ثابت ہو اور تمام افراد خاندان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ خدائے قادر اس غلام قادر کی جدائی کے خلاء کو اپنے فضل و رحم اور برکتوں سے پر فرمائے اور پوری جماعت کو اس شہادت کے فیض سے مستفیض فرمائے۔ آمین اللھم آمین۔

والسلام

ہم ہیں ممبران عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

"میں اس مولیٰ کریم کا اس وجہ سے بھی شکر کرتا ہوں کہ اس نے ایمانی جوش (دین حق) کی اشاعت میں مجھ کو اس قدر بخشا ہے کہ اگر اس راہ میں مجھے اپنی جان بھی فدا کرنی پڑے تو میرے پر یہ کام بفضلہ تعالیٰ کچھ بھاری نہیں اگرچہ میں اس دنیا کے لوگوں سے تمام امیدیں قطع کر چکا ہوں مگر خدا تعالیٰ پر میری امیدیں نہایت قوی ہیں۔ سو میں جانتا ہوں کہ اگرچہ میں اکیلا ہوں مگر پھر بھی میں اکیلا نہیں وہ مولیٰ کریم میرے ساتھ ہے اور کوئی اس سے بڑھ کر مجھ سے قریب تر نہیں۔ اس کے فضل سے مجھ کو یہ عاشقانہ روح ملی ہے کہ دکھ اٹھا کر بھی اس کے دین کے لئے خدمت بجا لاؤں......"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۵)

قیام نماز کے فوائد

خدا تعالیٰ سے مضبوط تعلق کا ذریعہ

نماز خدا تعالیٰ سے تعلق کا مضبوط ذریعہ ہے۔ نماز کے ذریعہ ایک مومن اپنی بندگی اور خدا تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی مشکلات و مسائل اس کے حضور رکھتے ہوئے ان کے حل ہونے کے لئے دعا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ ہر اس مومن کی پکار سنتا ہے جو اسے بلاناغہ پکارے اور یوں ایک مومن اپنے رب سے مضبوط تعلق پیدا کرلیتا ہے۔

اطمینان قلب کا ذریعہ نماز

نماز اطمینان قلب کا ذریعہ بھی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا بذکراللہ تطمئن القلوب (الرعد)
(ترجمہ) خبردار ہو کہ اللہ کا ذکر تمہارے دلوں میں اطمینان پیدا کردے گا۔

تعارف کتب

برکات الدعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ کتاب اپریل ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔

○ صفحات ۴۰

○ اس کتاب کا بنیادی مضمون سرسید احمد خان کے دو رسالوں کا جواب ہے۔ i) الدعاء والاستجابہ

ii) التحریر فی اصول التفسیر

سرسید احمد کا رسالہ الدعا والاستجابہ

○ سرسید احمد خان صاحب کا ۱۲ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ہے جو کہ کشمیری بازار لاہور کا چھپا ہوا ہے۔ اس میں پہلے آٹھ صفحات پر تو دعا کے بارے میں مضمون ہے اور آخری چار صفحات میں قرآنی دعائیں مذکور ہیں۔

سرسید احمد خان کے اس رسالے کا خلاصہ تبر کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں بیان کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ آپ نے یہ خلاصہ کتاب "برکات الدعا" میں صفحہ ۵ تا ۷ پر بیان فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"سید صاحب اپنے رسالہ میں دعا کی نسبت اپنا یہ عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ

استجابت دعا کے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ دعا میں مانگا گیا ہے وہ دیا جائے کیونکہ اگر استجابت دعا کے یہی معنی ہوں کہ وہ سوال بہرحال پورا کر دیا جائے تو دو مشکلیں پیش آتی ہیں اول یہ کہ ہزاروں دعائیں نہایت عاجزی اور اضطرار سے کی جاتی ہیں مگر سوال پورا نہیں ہوتا جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ خدا نے استجابت دعا کا وعدہ کیا ہے۔ دوسری یہ کہ جو امور ہونے والے ہیں وہ مقدر ہیں اور جو نہیں ہونے والے وہ بھی مقدر ہیں ان مقدرات کے برخلاف ہرگز نہیں ہو سکتا پس

(سید مبشر احمد ایاز۔ مدیر خالد)

اگر استجابت دعا کے معنی سوال کا پورا کرنا قرار دیئے جائیں تو خدا کا یہ وعدہ کہ ادعونی استجب لکم ان سوالوں پر جن کا ہونا مقدر نہیں ہے صادق نہیں آ سکتا یعنی ان معنوں کی رو سے یہ مقام وعدہ استجابت دعا کا باطل ٹھہرے گا کیونکہ سوالوں کا وہی حصہ پورا کیا جاتا ہے جس کا پورا کیا جانا مقدر ہے کیوں استجابت دعا کا وعدہ عام ہے جس میں کوئی بھی استثناء نہیں پھر جس حالت میں بعض آیتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ جن چیزوں کا دیا جانا مقدر نہیں وہ ہرگز دی نہیں جاتیں اور بعض آیتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی دعا رد نہیں ہوتی اور سب کی سب قبول کی جاتی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کر لیا ہے جیسا کہ ادعونی استجب لکم سے ظاہر ہے۔ پھر اس تناقض اور تعارض آیات سے بجز اس کے کیونکر مخلصی حاصل ہو کہ استجابت دعا سے عبادت کا قبول کرنا مراد لیا جائے یعنی یہ معنی کئے جائیں کہ دعا ایک عبادت ہے اور جب وہ دل سے اور خشوع سے اور خضوع سے کی جائے تو اس کے قبول کرنے کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے پس استجابت دعا کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ دعا ایک عبادت متصور ہو کر اس پر ثواب مترتب ہوتا ہے۔

ہاں اگر مقدر میں ایک چیز کا ملنا ہے اور اتفاقاً اس کے لئے دعا بھی کی گئی ہے تو وہ چیز مل جاتی ہے مگر نہ دعا سے بلکہ اس کا ملنا مقدر تھا اور دعا میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب دعا کرنے کے وقت خدا کی عظمت اور بے انتہاء قدرت کا خیال اپنے دل میں جمایا جاتا ہے تو وہ خیال حرکت میں آ کر ان تمام خیالات پر جن سے اضطراب پیدا ہوا ہے غالب ہو جاتا ہے اور انسان کو صبر اور استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور ایسی کیفیت کا دل میں پیدا ہو جانا لازمہ

عبادت ہے اور یہی دعا کا مستجاب ہونا ہے۔

پھر سید صاحب اپنے رسالہ کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ حقیقت دعا سے ناواقف اور جو حکمت اس میں ہے اس سے بے خبر ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ امر مسلم ہے کہ جو مقدر نہیں ہے وہ نہیں ہونے کا تو دعا سے کیا فائدہ ہے یعنی جب کہ مقدر بہرحال مل رہے گا خواہ دعا کرو یا نہ کرو اور جس کا ملنا مقدر نہیں اس کے لئے ہزاروں دعائیں کئے جاؤ کچھ فائدہ نہیں تو پھر دعا کرنا ایک امر عبث ہے اس کے جواب میں سید صاحب فرماتے ہیں کہ اضطرار کے وقت استمداد کی خواہش رکھنا انسان کی فطرت کا خاصہ ہے سو انسان اپنے فطرتی خاصہ سے دعا کرتا ہے بلا خیال اس کے کہ وہ ہو گا یا نہیں اور بمقتضائے اس کی فطرت کے اس کو کہا گیا ہے کہ خدا ہی سے مانگو جو مانگو۔"

(برکات الدعا صفحہ ۵-۷)

○ سرسید احمد خان صاحب کے نظریہ دعا کا رد

یہ تو تھا سید احمد صاحب کا دعا کے بارے میں نظریہ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ خدا کے بارے میں موقف۔ اور اس نظریہ کو غور سے پڑھا جائے' پرکھا جائے تو خدا کے بارے میں بہت ہی عجیب سا تصور پیدا ہوتا ہے۔ جو بے رحم' پتھر دل سے پتھر دل کو بھی مات دے' جو ایک روبوٹ کی طرح اپنا کام کئے جانے پر مجبور ہے اور شاید بے بس بھی۔ کسی پر اس کا اثر نہیں ہوتا کسی پر اس کو ترس نہیں آتا' کسی سے اس کو محبت نہیں ہوتی۔ جو سنتا ہے نہ بولتا ہے۔ نہ اس کا دل پسیجتا ہے۔ بھلا ایسے خدا میں اور پتھر کی مورتیوں میں کیا فرق ہوا۔ ایسے خدا کو ماننے والے تو جیتے جی ہی مر گئے۔ لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنے پیاروں کے ذریعہ اپنا حسین اور پیارا چہرہ دکھاتا رہتا ہے۔ جو دلوں کو موہ لیتا ہے۔ جو اپنا فریفتہ کر لیتا ہے ایسے ہی پیاروں میں سے ایک پیارے ہاں دل و جان سے پیارے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایک غلام کے ذریعہ اس نے اپنا چہرہ دکھایا۔ آپ نے دعا کے بارے میں کیا بتایا؟ ایک خزانہ پر اطلاع دی کہ جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اور ایسی ہستی کا پتہ دیا جو کبھی زوال پذیر نہیں اور جو کبھی بے وفائی نہیں کرتی اور ہر مصیبت میں ہاتھ پکڑتی ہے اور ہر محبت کا اظہار کرتی ہے اور ایسا اظہار کہ ساری دنیا اس کو دیکھتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام برکات الدعا میں سرسید احمد خان صاحب کے دعا کے بارے میں اس نظریہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سید صاحب کا یہ کہنا کہ جو مقدر ہے وہ تو ہو کر رہے گا دعا کا کوئی فائدہ نہیں تو یہ بات درست نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر سید صاحب قرآن کریم کے سمجھنے میں فہم رسا نہیں رکھتے تھے تو کیا وہ قانون قدرت بھی جس کی پیروی کا وہ دم مارتے ہیں....... اس مضمون کے لکھنے کے وقت ان کی نظر سے غائب تھا؟ کیا سید صاحب کو معلوم نہیں کہ اگرچہ دنیا کی کوئی خیر و شر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت نے اس کے حصول کیلئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں۔ جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقلمند کو کلام نہیں۔ مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا۔ مگر کیا سید صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دعاؤں میں کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔ پھر اگر سید صاحب باوجود ایمان بالتقدیر کے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ دوائیں بھی اثر سے خالی نہیں تو پھر کیوں خدا تعالیٰ کے یکساں اور متشابہ قانون میں فتنہ اور تفریق ڈالتے ہیں؟ کیا سید صاحب کا یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ...... دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈال دی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہاں سے رخصت کر دے لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو؟ کیا یہ ممکن ہے کہ نظام الٰہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ

جو خدا تعالیٰ نے دواؤں میں اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا تھا وہ دعاؤں میں مرعی نہ ہو؟ نہیں نہیں! ہرگز نہیں!! بلکہ خود سید صاحب دعاؤں کی حقیقی فلاسفی سے بے خبر ہیں اور ان کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہیں رکھتے...... اگر سید صاحب کے پاس آگ کی تاثیر کا ذکر کیا جائے تو وہ ہرگز اس سے منکر نہیں ہوں گے اور ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ اگر کسی کا جلنا مقدر ہے تو بغیر آگ کے بھی جل رہے گا تو پھر میں حیران ہوں کہ وہ باوجود مسلمان ہونے کے دعا کی تاثیروں سے جو آگ کی طرح کبھی اندھیرے کو روشن کر دیتی ہیں اور کبھی گستاخ دست انداز کا ہاتھ جلا دیتی ہیں کیوں منکر ہیں کیا ان کو دعاؤں کے وقت تقدیر یاد آ جاتی ہے اور جب آگ وغیرہ کا ذکر کریں تو پھر تقدیر بھول جاتی ہے؟ کیا ان دونوں چیزوں پر ایک ہی تقدیر حاوی نہیں ہے؟" (صفحہ ۷-۹)

○ استجابت دعا کی حقیقت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

"سو واضح ہو کہ استجابت دعا کا مسئلہ در حقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اس کو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور یہ دھوکے لگتے ہیں۔ پس یہی سبب سید کی غلط فہمی کا ہے اور دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل یقین کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوہیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جل شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبعیہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں اور اگر قحط کے لئے بد دعا ہے تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے......" (صفحہ ۹-۱۰)

بعض دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں

"اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض دعائیں خطا جاتی ہیں اور ان کا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا تو میں کہتا ہوں کہ یہی حال دواؤں کا بھی ہے۔ کیا دواؤں نے موت کا دروازہ بند کر دیا ہے یا ان کا خطا جانا غیر ممکن ہے؟ مگر کیا باوجود اس بات کے کوئی ان کی تاثیر سے انکار کر سکتا ہے......" (صفحہ ۱۱)

خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے؟

"سید صاحب کا یہ قول ہے کہ گویا قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے تمام دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ تمام دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہ ان کی سخت غلط فہمی ہے اور یہ آیت ادعونی استجب لکم ان کے مدعا کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ یہ دعا جو آیت ادعونی

استجب لکم میں بطور امر کے بجالانے کے لئے فرمائی گئی ہے اس سے مراد معمولی دعائیں نہیں ہیں بلکہ وہ عبادت ہے جو انسان پر فرض کی گئی ہے کیونکہ امر کا صیغہ یہاں فرضیت پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ کل دعائیں فرض میں داخل نہیں ہیں............ اور اگر ہم تنزلا مان بھی لیں کہ اس مقام میں لفظ ادعوا سے عام طور پر دعا ہی مراد ہے تو ہم اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں دیکھتے کہ یہاں دعا سے وہ دعا مراد ہے جو بجمیع شرائط ہو اور تمام شرائط کو جمع کر لینا انسان کے اختیار میں نہیں جب تک توفیق ازلی یاور نہ ہو......۔"

(صفحہ ۱۲-۱۳)

"تحریر فی اصول التفسیر"

سید صاحب کا یہ رسالہ ایک خط یا مضمون کی صورت میں ہے جس میں سر سید احمد خان صاحب نے اپنے ایک دوست نواب محسن الملک کو خط لکھتے ہوئے پوچھا تھا کہ قرآن کریم کی تفسیر کا معیار کیا ہونا چاہئے۔

ہماری خوش نصیبی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا جواب دیتے ہوئے اپنی اسی کتاب میں اصول تفسیر قرآن کا تذکرہ فرما دیا۔ آپ نے سات اصول اس کتاب میں بیان فرمائے ہیں:۔

(i) شواہد قرآنی:۔ یعنی اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنی کریں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ان معنوں کی تصدیق کے لئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں...

(ii) حضرت رسول اللہ ﷺ کی تفسیر:۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کے معنے سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ نبی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس اگر آنحضرت ﷺ سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلا توقف اور بلا دغدغہ قبول کرے۔ نہیں تو اس میں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہو گی۔

(iii) صحابہ ؓ کی تفسیر:۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے نوروں کو حاصل کرنے والے اور علم نبوت کے پہلے وارث تھے......۔

(iv) خود اپنا نفس مطہر لے کر قرآن کریم میں غور کرنا ہے کیونکہ نفس مطہرہ سے قرآن کریم کو مناسبت ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے لا یمسہ الا المطھرون یعنی قرآن کریم کے حقائق ان پر کھلتے ہیں جو پاک دل ہوں.....

(v) لغت عرب بھی ہے لیکن قرآن کریم نے اپنے وسائل آپ اس قدر قائم کر دیئے ہیں کہ چنداں لغات عرب کی تفتیش کی حاجت نہیں ہاں موجب زیادت بصیرت بے شک ہے بلکہ بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیہ کی طرف لغت کھودنے سے توجہ پیدا ہو جاتی ہے اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔

(vi) روحانی سلسلہ کے سمجھنے کیلئے سلسلہ جسمانی:۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے دونوں سلسلوں میں بکلی تطابق ہے۔

(vii) وحی ولایت اور مکاشفات محدثین:۔
اس ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"محدث وہ لوگ ہیں جو شرف مکالمہ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں اور ان کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے اور وہ خواص عجیبہ نبوت کے لئے بطور آیات باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزول وحی کا کسی زمانہ میں بے ثبوت ہو کر صرف بطور قصہ کے نہ ہو جائے اور یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے بے وارث ہی گزر گئے اور اب ان کی نسبت کچھ رائے ظاہر کرنا بجز قصہ خوانی کے اور کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک صدی میں ضرورت کے وقت ان کے وارث پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس صدی میں یہ عاجز ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس زمانہ کی اصلاح کے لئے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالیٰ کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں

اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے۔ سو یہی ہو رہا ہے قرآن کریم کے معارف ظاہر ہو رہے ہیں۔ لطائف اور دقائق کلام ربانی کے کھل رہے ہیں۔ نشان آسمانی اور خوارق ظہور میں آ رہے ہیں اور اسلام کے حسنوں اور نوروں اور برکتوں کا خدا تعالیٰ نئے سرے سے جلوہ دکھا رہا ہے۔ جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہیں دیکھے......" (صفحہ ۲۳۔ ۲۴)

سر سید احمد صاحب کی تفسیر

"ضمناً حضور نے سر سید احمد خان صاحب کی تفسیر قرآن (جو کہ مکمل نہیں۔ ناقل) پر بھی تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ سید صاحب کی تفسیر ان ساتوں معیاروں سے اپنے اکثر مقامات میں محروم و بے نصیب ہے" (صفحہ ۲۵)

سر سید احمد صاحب کو دعوت اصلاح

جہاں حضور نے سر سید احمد خان صاحب کی علمی غلطیوں کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائی وہاں آپ نے سر سید احمد خان صاحب کی اپنی اصلاح کے لئے بھی ہمدردانہ توجہ فرماتے ہوئے انہیں دعوت دی۔ چنانچہ فرمایا:۔

"میرے نزدیک بہتر ہے کہ سید صاحب اپنے آخری دن کو یاد کر کے چند ماہ اس عاجز کی صحبت میں رہیں اور چونکہ میں مامور ہوں اور مبشر ہوں اس لئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ سید صاحب کے اطمینان کے لئے توجہ کروں گا اور امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کوئی ایسا نشان دکھلائے کہ سید صاحب کے مجوزہ قانون قدرت کو ایک دم خاک میں ملا دیوے اور اس قسم کے کام اب تک بہت ظہور میں آئے ہیں......" (صفحہ ۳۱۔ ۳۲)

اور صفحہ ۳۴ پر آپ نے امراء و رئیسان کو دین حق کی خدمت اور اعانت کی طرف توجہ دلائی ہے اور انہیں یہ پیشکش بھی کی ہے کہ بے شک وہ اپنے بعض مقاصد کے پورا ہونے کے لئے مجھے لکھیں میں ان کے لئے دعا کروں گا اور خدا فضل فرمائے گا اور میری دعا سنے گا اور اس کے بدلے میں وہ (دین) کی خدمت کیلئے کچھ ضرور مالی اعانت کریں۔ اس اعلان کے آخر پر "دین حق" کی بے کسی اور کسمپرسی کا دردناک نقشہ فارسی نظم میں کھینچا ہے۔ یہ نظم ۱۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ فرماتے ہیں۔

بیکسے شد دین احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کار خود با دین احمدؐ کار نیست

کہ دین احمد (اسلام) بے کسی کی حالت میں ہے اور کوئی اس کا دوست و غمگسار نہیں اور ہر کوئی اپنے اپنے کاموں میں پڑا ہوا ہے اور حضرت احمد، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا کسی کو فکر نہیں۔

○ صفحہ ۳۳ پر بھی ایک فارسی نظم ہے جس میں مضمون ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر رجوع برحمت ہوتا ہے اور وہ خود اپنا چہرہ دکھاتا ہے اور پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے اور دعاؤں کو سنتا ہے۔

روئے دلبر از طلبگاراں نمی دارد حجاب
می درخشد در خور و می تابد اندر ماہتاب
از دعا کن چارہ آزار انکار دعا
چوں علاج می زمی وقت خمار و التہاب
ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرت ہائی حق
قصہ کوتہ کن بہ بین از ما دعائے مستجاب

○ ۱۹ تا ۲۳ حاشیہ میں وحی کی حقیقت، خاص طور پر انبیاء کی وحی کی حقیقت پر ایک پر معارف نوٹ ہے۔

○ صفحہ ۲۷ کے حاشیہ پر خارق عادت امور کے ظہور پر ہونے والے اعتراض کو سامنے رکھ کر ان امور کی تشریح فرمائی ہے۔

الغرض یہ کتاب وحی و الہام کی حقیقت، دعا اور قبولیت دعا اور تفسیر قرآن کریم کے اصولوں جیسے قیمتی مضامین کا ایک خزانہ ہے۔

اسداللہ خان غالب

بصیرت کے جوہر دکھانے والا عظیم شاعر

(مقالہ نگار مکرم مسعود احمد دہلوی صاحب سابق مدیر الفضل)

اردو ادب کے بہت بلند پایہ اور عظیم شاعر مرزا اسد اللہ بیگ پہلے اپنے نام کی رعایت سے اسد تخلص کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی بہت سی غزلوں کے مقطع میں انہوں نے اپنا یہی تخلص باندھا۔ لیکن بعد میں شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے بلند پایہ کلام کی رعایت سے اس کی بجائے غالب تخلص اختیار کر لیا اور پھر اپنے افکار کی رفعت و عظمت، پیرایہ اظہار کی جدت و ندرت، اور کلام کی بلاغت و اصابت کے نتیجہ میں سب پر سبقت لے جا کر صحیح معنوں میں غالب بن کر دکھایا۔ وہ اپنے اس تخلص کی لاج رکھنے میں ایسے کامیاب ہوئے کہ اردو شاعری میں آج بھی انہی کا سکہ چلتا اور انہی کے نام اور کلام کا ڈنکا بجتا ہے اور آئندہ بھی بجتا چلا جائے گا اور حالی کے اس محاکے کی صداقت آئندہ زمانوں میں بھی بڑی شان سے آشکار ہوتی چلی جائے گی۔

ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے
ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں
غالب نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسمان سے کیا نسبت

اقلیم شعر و سخن کے اس فرمانروا کی شان و شوکت، عظمت و تمکنت، اور سب پر اس کی سبقت و فوقیت کا راز اس حقیقت میں پنہاں تھا کہ وہ ایک باہنر سخنور ہی نہیں تھا بلکہ زندگی اور انسانی فطرت کے حقائق کی کھوج لگانے اور انہیں اپنے اشعار کے ذریعہ دوسروں پر آشکار کرنے والا کمال درجہ ذہین و فطین اور بالغ نظر و باریک بین دانشور بھی تھا۔

مرزا اسد اللہ خان غالب ایک ایسے عظیم مفکر و دانشور اور ایک ایسے حقیقت نگر صاحب طرز سخنور تھے جنہیں اپنی آزاد روی اور ایک گونہ رند مشربی کے باوصف صاحبان فکر و فراست میں شمولیت کا خصوصی امتیاز حاصل تھا۔ اپنے اس امتیاز کی وجہ سے ہی وہ ہمہ وقت یعنی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور بوقت استراحت لیٹے ہوئے بھی ابتدائے آفرینش یعنی کائنات کی تخلیق، اس میں جاری و ساری محکم و ابلغ نظام اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اشرف المخلوقات انسان کی پیدائش اور اس کی فطرت کی باریکیوں کے بارہ میں غور کرتے رہتے تھے۔ اس بارے میں تحقیق و تدقیق اور تفکر و تدبر کی لگن انہیں بے چین کئے رکھتی اور ان کی یہ بے چینی ہی انہیں اس قابل بناتی کہ وہ فکری استغراق کی گہرائیوں میں سے ایسے در نایاب نکال لاتے کہ جن کی آب و تاب ایک دنیا کو ششدر کئے بغیر نہ رہی۔ اس پر مستزاد یہ کہ ڈیڑھ صدی کا عرصہ گزرنے کے باوجود ان در نایاب کی آب و تاب نہ صرف آج بھی قائم و دائم ہے بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ان کی بڑھتی ہوئی چمک دمک کی تعریف میں اس ترقی یافتہ دور کے انسان بھی رطب اللسان ہیں۔ ان کی تفکر و تدبر اور زمین و آسمان میں پائی جانے والی اشیاء اور زمانہ کے بدلتے ہوئے احوال و کوائف کی کنہ معلوم کرنے میں ان کے استغراق کا کچھ اندازہ ان کے بعض استفہامیہ

اشعار سے ہوتا ہے۔ ان میں وہ اپنے متجسس و متلاشی دل کو "دل ناداں" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور عقیدہ ہائے لاینحل کو حل کرنے کے بارہ میں عجب متجسانہ انداز میں اس سے سرگوشیاں کرتے ہیں۔ جان کو گھلانے اور اسے زار و نزار کرنے والے ان اشعار کے پہلے شعر میں ہی یہ مفہوم مضمر ہے کہ اے میرے نادان دل حقائق تک رسائی میں سرکھپائی اور تیرے اندر ہی اندر سلگنے والی آگ کی خاموش دہائی کچھ نہ کچھ رنگ ضرور لائے گی۔ تو یا اس اندرونی بخار میں روپوش ہو کر فنا کے غار میں جا اترے گا یا پھر اسی دنیا میں حیات جاوداں سے ہمکنار ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے اپنے فکری تحیر و تجسس کا اظہار کس خوبصورت پیرائے میں کیا ہے۔

دل ناداں! تجھے ہوا کیا ہے؟
آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الہیٰ! یہ ماجرا کیا ہے؟
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ' اے خدا! کیا ہے؟
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے؟
شکن زلف عنبریں کیوں ہے؟
نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے؟
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے؟

نظم کا مزاج خود بتا رہا ہے کہ اس میں حسن کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے کسی پری چہرہ معشوق کے خدو خال اور حال سے بے حال کئے دینے والے حسن بے مثال پر حیرت و استعجاب کا اظہار نہیں کیا جا رہا۔ اس کا سراسر استفہامیہ انداز تو رہ رہ کر آشکار کر رہا ہے کہ شاعر کے دل میں ایک آگ لگی ہوئی ہے اور اندر ہی اندر سلگنے اور جھلسا دینے والی آگ کے زیر اثر وہ کائنات کی کنہ' اس کے محکم و ابلغ نظام اور انسانی فطرت کے چھپے ہوئے راز معلوم کرنے کے لئے بے چین و مضطرب ہے اور چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح حیات و ممات کے حقائق تک اس کی رسائی ہو جائے اور وہ ایک دنیا کو ان سے آگاہ کر سکے۔ دل کے اندر سلگنے والی اس آگ کا مرزا غالب نے ایک غزل کے مطلع میں بھی ذکر کیا ہے اور کیا بھی بڑی احتیاط' قرینہ اور رکھ رکھاؤ سے۔ کہتے ہیں۔

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

اس شعر کی خوبی یہ ہے کہ اگرچہ پہلے مصرعہ میں شاعر نے دل کے بے محابا جل جانے کا ذکر کیا ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں اس بے محابا جل جانے کی بڑے قرینہ سے وضاحت یوں کی ہے کہ دل جل تو ضرور گیا ہے لیکن جلا ہے آتش خاموش کی مانند۔ آتش خاموش اس آگ کو کہتے ہیں جو راکھ کے نیچے دبی ہوئی ہوتی ہے۔ آگ اندر موجود ہوتی ہے لیکن لگتا یوں ہے کہ وہ بجھ گئی ہے۔ سو شاعر بتا رہا ہے کہ اس کے دل کے جل جانے کے باوجود بھسم ہو کر ختم ہونے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ اس کے اندر آگ اور اس کی تمازت بدستور موجود ہے۔ اس مفہوم کو شاعر نے "جل گیا" کے ساتھ "گویا" کا قرینہ استعمال کر کے بھی ادا کیا ہے اور کمال بلاغت سے کام لے کر یہ امر ذہن نشین کرایا ہے کہ اس کے اندر بے چین کئے دینے والے تجسس کی ایک آگ سی لگی ہوئی ہے جو اندر ہی اندر اسے جلا تو رہی ہے لیکن اس کی یہ حرقت کائنات اور اس میں پائی جانے والی زندگی کے حقائق تک رسائی کے لئے مہمیز کا کام بھی دے رہی ہے۔ اگر غالب کا دل اس آگ سے واقعی بھسم ہو گیا ہوتا تو ان کی شاعری بھی دم توڑ جاتی اور بعد میں آنے والی نسلوں کے ہاتھ پلے کچھ نہ آتا۔ غالب کے اندر سلگنے والی اس آگ نے ان پر بہت سے حقائق وا کئے جنہیں انہوں نے بہت بلیغ انداز میں منظوم کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر کلام غالب کا مطالعہ

کیا جائے تو قاری پر معرفت کے بہت سے گوشے واضح ہو کر اسے ایک اور ہی عالم میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے پورے کلام غالب کا احاطہ کرنے کا تو یہ موقع نہیں۔ یہ مختصر مقالہ اس طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں چند اشعار پیش کرنے پر ہی اکتفا کروں گا۔ اس طرح غور و فکر کے نتیجہ میں غالب کی معرفت کے میدان میں جس حد تک رسائی ہو سکی اس کی ایک جھلک ہی قارئین کرام کے سامنے آ سکے گی۔

غالب کائنات اور اس میں جاری و ساری نظام اور اسی طرح انسانی فطرت کے گہرے مشاہدے اور مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ عالم اور اس کی تمام اشیاء کو پیدا کر کے انہیں اپنی ذات و صفات کے ظہور کا ایک ذریعہ بنایا ہے اور مقصد اس سے یہ ہے کہ اس کی مخلوق اسے پہچانے اور اس کی بندگی کا حق ادا کرے۔ ایک غزل کے چند اشعار میں غالب نے معرفت کے اس نکتہ کو اس خوبصورتی سے سمویا ہے کہ اس پر غور کرنے سے انسان پر اہتزاز کی کیفیت طاری ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ اس حقیقت عظمیٰ کی طرف غالب نے کیسے موثر انداز میں توجہ دلائی ہے۔

نشوونما ہے اصل سے غالب فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہئے
ہے رنگ لالہ نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے
یعنی بہ حسب گردش پیمانہ صفات
عارف ہمیشہ مست مئے ذات چاہئے

ان اشعار کا مطلب واضح ہے کہ جس طرح درخت کی شاخوں کو جو فروع کا درجہ رکھتی ہیں ہرا بھرا اور سرسبز و شاداب کرنے والی اس کی جڑ ہوتی ہے اور وہ زمین میں پوشیدہ ہونے کے باعث نظر نہیں آتی اسی طرح یہ پوری کائنات اور اس کی ہر شئے فروع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسے معرض وجود میں لانے' اسے قائم و برقرار رکھنے اور اسے نشوونما دینے والی بھی ایک اصل ہے جو نظر آئے بغیر خاموشی سے ان سب امور کا اہتمام و انصرام کرتی ہے۔ وہ اصل ہے خدائے خالق و مالک کی ذات والا صفات۔ سو ہمیں کائنات اور اس کی ہر شئی کی تعریف میں رطب اللسان ہونے کے ساتھ ساتھ اس حسین و جمیل کائنات کے خالق و مالک کی حمد سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ پھر اسی مفہوم کو ایک اور رنگ میں دہراتے ہوئے غالب کہتے ہیں کہ جب بہار کا موسم آتا ہے تو رنگ برنگے پھول کھل کر طبیعت میں فرحت پیدا کر دکھاتے ہیں۔ یہ پھول' یہ ہریالی اور درختوں کی یہ شادابی الغرض دلوں کو لبھانے اور انہیں فرحت بخشنے والی ایک ایک چیز موسم بہار کے غیر مرئی وجود اور اس کی جلوہ آرائی کو ثابت کر رہی ہوتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم پھولوں کی رنگینی' درختوں' پودوں اور دیگر نباتات کی ہریالی اور شادابی پر ہی نہ جھومیں بلکہ موسم بہار کے منبع و مقدر خدائے مقتدر کی حمد و ثناء میں بھی مصروف ہوں۔ پھر مندرجہ بالا اشعار میں سے تیسرے اور آخری شعر میں تو غالب نے خالق ارض و سما کا براہ راست ذکر کر کے بات ہی واضح کر دی کہ صفات باری پیمانہ کی طرح گردش کر کے نت نئی جلوہ نمائی کے ذریعہ اس عالم رنگ و بو میں رعنائی و دلکشی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اس معرفت سے بہرہ ور ہو کر ہر عارف کو خدا تعالیٰ کے پیدا کردہ حسن کے نیرنگ کمال کے ساتھ ساتھ حسینوں کے حسین یعنی احسن الخالقین کے حسن لم یزل کا متوالا بن کر اس کی یاد میں محو رہنا چاہئے۔

پھر اسی پر بس نہیں۔ غالب نے اپنے بعض اشعار میں خدائے لم یزل کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ کا شرف حاصل کرنے کے طریق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ بات یہ ہے بھی سولہ آنے درست۔ اس لئے کہ وہ محبوب بھی کیا محبوب ہے کہ اس سے کبھی بات کرنے اور اس کی بات سننے کا موقع ہی پیدا نہ ہو۔ لیکن غالب کے نزدیک خدا کو اپنا محبوب بنانے کے بعد وہ دہن بھی حاصل کرنا پڑتا ہے جس کے ذریعہ اس سے ہمکلام ہوا جا سکتا ہے اور پھر اس سے از خود یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ نیا دہن حاصل

کرنے کے بعد وہ کان بھی میسر آجاتے ہیں جن سے خدا کے منہ سے نکلی ہوئی بات سنی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر مرزا غالب کہتے ہیں کہ

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

اپنے اس شعر میں غالب نے خدا کو مخاطب کرکے کہا ہے کہ اے محبوب حقیقی! تیرے بندے بھی تجھ سے مخاطب ہو کر ہمکلامی کے شرف سے مشرف ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں تیرا عشق بسا کر اس میں ایک دہان زخم پیدا کریں اور پھر اس زخم کے دہن سے تیرے ساتھ ہمکلامی کے شرف سے مشرف ہوں۔ مشہور صحافی و ادیب اور نامور مصنف مولانا غلام رسول مہر مرحوم "دیوان غالب" کی مشہور شرح میں جسے انہوں نے "نوائے سروش" کے نام سے شائع کیا اس شعر کی تشریح درج کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اس شعر میں مرزا غالب خدا کو مخاطب کرکے کہہ رہے ہیں کہ "محبوب حقیقی! تجھ سے گفتگو کا راستہ اس وقت تک کھلنا مشکل ہے جب تک دل پر زخم کا منہ نہ پیدا کر لیا جائے۔ گویا جب تک تیرے ساتھ عشق حقیقی کی تڑپ پیدا نہ ہو وہ ربط ضبط قائم کر لینا غیر ممکن ہے۔ جسے اصطلاح میں مسامرت و محادثت کہتے ہیں۔ بہر حال ہم اس دنیا میں بات چیت دہن یا منہ سے کرتے ہیں۔ وہ تیرے ساتھ بات چیت کے لئے کام نہیں دے سکتا۔ اس کے لئے دل پر ایسا چرکا لگنا چاہئے جو منہ کا کام دے سکے۔"

(نوائے سروش مصنفہ غلام رسول مہر ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ مطبع غلام علی پرنٹرز جامعہ اشرفیہ اچھرہ لاہور صفحہ ۶۸۱ تا ۶۸۳)

غالب کی یہ بات قرآن کے عین مطابق ہے کیونکہ قرآن میں خدا اپنے بندوں سے خود کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔ بندوں کی اس پکار اور اس کے جواب میں خدا کی گفتار کو صوفیا کی اصطلاح میں مسامرت و محادثت اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ کہتے ہیں۔

غالب نے اپنے کلام میں معرفت کا ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ عشق مجازی میں عشق کی انتہا یہی ہوتی ہے کہ عاشق اپنے معشوق پر جاں نثار کرکے ہمیشہ کے لئے فنا ہو جاتا ہے لیکن عشق الٰہی کا سفر ایک لامتناہی سفر ہے۔ اگر وقت آنے پر خدا کی راہ میں اپنی جان کی قربانی دینی پڑے تو شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ میں نے عشق کا حق ادا کر دیا' درست نہ ہوگا کیونکہ عشق الٰہی میں سرشار انسان مطالبہ ہونے پر اپنی جس جان کو قربان کر دکھاتا ہے وہ خدا ہی کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ خدا کی عطا کو عندالطلب اسی کی طرف واپس لوٹانے کو عشق کا حق ادا کرنے سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ عشق الٰہی کا سفر تو ایک ناپیدا کنار سمندر کا سفر ہے جو عمر طبعی کے آخری سانس تک جاری رہتا ہے اور اس میں قدم قدم پر موت کو گلے لگانا پڑتا ہے اور عمر بھر کمال استواری کے ساتھ وفاداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہزاروں موتوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر چند کہ جو بندہ حسب موقع فی الحقیقت جاں قربان کر دکھائے اسے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خود یہ کہے یا سمجھے کہ اس نے عشق کا حق ادا کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ خدا اسے اس کا بے حساب اجر عطا کرے اور وہ یقیناً عطا کرتا ہے لیکن جان کا ندرانہ پیش کرنے والے بندہ کے لئے اس میں فخر کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔ معرفت سے بھرپور اس سارے مضمون کو غالب نے اپنے ایک شعر میں کمال خوبصورتی سے سمو کر دریا کو کوزہ میں بند کر دکھایا ہے۔ کہتے ہیں اور کیسے دل موہ لینے والے انداز میں کہتے ہیں۔

جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پھر ایک اور معرفت کا نکتہ غالب نے یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح قطرہ قطرہ طے شود دریا کے مطابق پانی کا ہر قطرہ دریا

کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور ہر ایک ذرہ پہاڑوں کے وجود کا ثبوت فراہم کر رہا ہوتا ہے اسی طرح حد نظر سے بھی بہت پرے تک پھیلی ہوئی یہ کائنات اور اس کی ہر چیز صانع حقیقی کے وجود کو ظاہر کر رہی ہے۔ جس انسان کی توجہ کائنات اور اس کے نظام اور انصرام و اہتمام کو دیکھ کر صانع حقیقی کی طرف نہیں پھرتی وہ عقل و فہم رکھنے کے باوجود بصارت اور بصیرت دونوں سے عاری ہے۔ معرفت میں ڈوبا ہوا ان کا یہ شعر بھلا کس نے نہیں سنا۔

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

اپنے اشعار میں جذباتی حقیقتوں کی عکاسی کے ساتھ ساتھ غالب نے معرفت میں ڈوبے ہوئے ایسے اشعار بھی بڑی تعداد میں کہے ہیں کہ ذات باری کا عرفان رکھنے والی معتبر ہستیاں بھی جن پر عش عش کر اٹھتی ہیں اور ان کے ذہن رسا کی داد دیئے بغیر نہیں رہتیں۔ غالب نے اپنے ایسے پر معارف اشعار کی وجہ سے ہی بوقت تحریر اپنے قلم سے نکلنے والی آواز کو فرشتہ کی آواز قرار دیا ہے۔ یہ بھی ایک انداز ہے اس معرفت کی طرف اشارہ کا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ غیر معمولی فہم و فراست اور تفکر و تدبر کی صلاحیت کی وجہ سے انہیں حاصل ہوئی تھی اور جس نے انہیں تمام ہم عصر شاعروں سے ممتاز کر دکھایا تھا اور جس کی وجہ سے ان کی برتری و فوقیت آج تک قائم چلی آ رہی ہے۔ وہ شعر جس میں انہوں نے اپنے قلم کی آواز کو فرشتہ کی آواز قرار دیا یہ ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

اپنے اس امتیاز کی طرف (کہ میں جذباتی حقیقتوں کا ہی اپنے اشعار میں ذکر نہیں کرتا بلکہ واقعاتی حقائق اور معارف بھی پیش کرتا ہوں) غالب نے اس سے بھی بڑھ کر ایک اشارہ کیا ہے لیکن کیا ہے بہت محتاط انداز میں چنانچہ انہوں نے یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا کہ

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
روح القدس اگرچہ مرا ہم زباں نہیں

احتیاط انہوں نے یہ برتی کہ اس امر کو تسلیم کیا کہ روح القدس میرا ہم زبان نہیں ہے۔ یعنی میں ایسی باتیں بھی کہتا ہوں جنہیں روح القدس کی تائید حاصل نہیں ہوتی لیکن ایسی باتوں کے ساتھ ساتھ میں حقائق کے موتی بھی رولتا اور معارف کے جواہر بھی لٹاتا ہوں جن کی روح القدس بھی مجھے داد دیتا ہے اسی لئے کہا۔

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی

اس مصرعہ میں "کچھ" کا لفظ خاص طور پر قابل غور ہے جو یہ ظاہر کر رہا ہے کہ روح القدس سے میں داد صرف ان اشعار ہی کی پاتا ہوں جو حقائق و معارف سے پر ہوتے ہیں۔ غالب کے ایسے ہی پر معارف اشعار میں سے بعض سطور بالا میں پیش کئے گئے ہیں۔ ایسے اشعار انہیں خصوصی امتیاز سے متصف کرنے کا موجب ہوئے اور انہیں شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں ممتاز مقام دلانے میں ان کے اس خصوصی امتیاز نے اہم کردار ادا کیا۔

معرفت ذات حق تعالیٰ کے علاوہ غالب کا دوسرا امتیاز جو انہیں شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں ممتاز مقام دلانے کا موجب ہوا وہ گہرے مشاہدہ و معائنہ اور عمیق تدبر و تفکر کے نتیجہ میں تخلیق کائنات کے بعض حقائق تک ان کی رسائی تھی۔ موجودات عالم کے متعلق گہرے غور و خوض اور تدبر و تفکر کی وجہ سے تخلیق کائنات کے حقائق کے بارہ میں انہوں نے بعض نتائج اخذ کر کے انہیں اپنے مخصوص پیرایہ اظہار میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور بالآخر یہ نتائج بھی ایک بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے ان کی شہرت کو چار چاند لگانے کا موجب بنے۔ چونکہ ان کے ہم عصر شعراء کو ان نتائج تک رسائی حاصل نہ ہوئی تھی اور وہ ان کے فہم و ادراک سے بالا تھے اس لئے غالب کو ان کے

اپنے دور میں مشکل گو ہی نہیں بلکہ اوٹ پٹانگ اور لایعنی باتیں کہنے والا شاعر قرار دیا گیا۔ لیکن بعد کے زمانوں میں ہونے والی سائنسی تحقیق نے جب ان کے مشاہدات کی صحت و صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو ہر طرف اسی اوٹ پٹانگ اور لایعنی باتیں کرنے والے شاعر کا ڈنکا بجنے لگا اور اسے اردو ادب کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کیا جانے لگا۔

کائنات میں جاری و ساری نظام کے گہرے مشاہدے و مطالعہ سے غالب اس نتیجہ پر پہنچے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ یہ کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ متحرک ہے یعنی اس کی ہر شئے مسلسل حرکت کر رہی ہے اور اگر یہ متحرک نہ رہے تو اس کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اور پوری کائنات کی ہستی ہی نیستی کا شکار ہوئے بغیر نہ رہے۔ انہوں نے اپنے اس مشاہدہ کا نچوڑ اس شعر میں پیش کیا اور کیا بھی خود خالق کائنات کو مخاطب کر کے۔ ملاحظہ فرمائیے کس تیقن اور قطعیت کے ساتھ کہتے ہیں۔

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پر تو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

کلام غالب کے شارح مولانا غلام رسول مہر کے بقول اس شعر میں غالب نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے کہ کائنات میں جو حرکت نظر آتی ہے اے مالک کل وہ تیرے منشاء ارادے اور حکم کی وجہ سے ہی ہے۔ اس کی ایک واضح اور بین مثال یہ ہے کہ ذرہ خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن دنیا بھر کو تاباں و درخشاں بنا دینے والا آفتاب ذرے پر جلوہ فگن ہوتا ہے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ غالب کی نگاہ حقیقت بین نے اس شعر میں حقیقی منظر کی تصویر کھینچ کر کائنات کی اصل حقیقت کو آشکار کر دکھایا ہے۔ ہر شخص اس حقیقت کا خود بھی مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی روزن میں سے سورج کی کرنوں کے گزرنے کا سماں دیکھے تو اسے اس میں ان گنت ذرے حرکت کرتے نظر آئیں گے اور یوں محسوس ہو گا کہ آفتاب کی روشنی نے کرنوں کے ذریعہ سے ان میں جان ڈال دی ہے۔ غالب کہتے ہیں یہی کیفیت کائنات کی ہے۔ اس میں جو جنبش، تڑپ اور اضطراب نظر آتا ہے وہ کائنات کے خالق کے ساتھ عشق و محبت کا کرشمہ ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا وجود عشق میں سرشار اسی کی طرف دوڑا چلا جا رہا ہے۔ مرزا غالب نے یہ مضمون مختلف صورتوں میں باندھا ہے۔ مثال کے طور پر اس حقیقت کو ایک اور شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

ہے تجلی تری سامان وجود
ذرہ بے پرتو خورشید نہیں

پھر ایک شعر میں اسی حقیقت کا بہت ہی اچھوتے انداز میں اعادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کس کی برق شوخی رفتار کا دلدادہ ہے
ذرہ ذرہ اس جہاں کا اضطراب آمادہ ہے

عجب اچھوتے انداز میں اٹھائے ہوئے اس سوال کا ایک اور شعر میں خود ہی جواب دیا اور دیا بھی ہے کمال شاعرانہ انداز میں

ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوے سے زمین تا آسماں سرشار ہے

غالب نے ایک شعر میں یہ امر ذہن نشین کرایا ہے کہ کائنات کا وجود برقرار ہی اس لئے ہے کہ اس کے جملہ اجزاء قرار سے یکسر عاری ہیں۔ اجزائے کائنات اور پھر بحیثیت مجموعی پوری کائنات کی مسلسل حرکت اس کے وجود کو قائم و برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اگر کہیں یہ حرکت رک جائے اور اس میں ٹھہراؤ کی کیفیت رونما ہونے لگے تو پورا کارخانہ عالم نیستی کا شکار ہو کر رہ جائے۔ اس کی زندگی اور بقا کا انحصار ہی حرکت پر ہے۔ اس مضمون کو غالب نے اس اشارہ کے رنگ میں ادا کیا ہے کہ کائنات کے خمیر میں قرار یا ٹھہراؤ کا عنصر ہی سرے سے شامل نہیں ہے۔ اسی لئے زمانہ کبھی ایک حال پر نہیں رہتا۔ جس کے زیر اثر انسان کو بھی مختلف حالتوں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔

چنانچہ وہ کہتے ہیں۔

خوشی، خوشی کو نہ کہہ، غم کو غم نہ جان اسد
قرار داخل اجزائے کائنات نہیں

اسی پر بس نہیں غالب نے تو کائنات اور اس کے ذرات کے متحرک ہونے کے علاوہ اسی ضمن میں ایک اور عظیم الشان حقیقت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور وہ حقیقت بھی ایسی ہے کہ ان کے اپنے زمانہ کے لوگ تخلیق کائنات کے دوسرے حقائق کی طرح اس حقیقت سے بھی واقف نہ تھے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ کائنات اور اس کا ذرہ ذرہ ہی حرکت میں نہیں ہے بلکہ اس کا ہر ذرہ جن غیر مرئی اجزاء کا مرکب ہے۔ ان غیر مرئی اجزاء نے خود ذرہ کے اندر متحرک رہ کر اندر ہی اندر ایک حشر برپا کر رکھا ہے۔ اور وہ حشر بھی ایک ایسا حشر ہے کہ اسے سینکڑوں حشروں کے برابر ایک عظیم حشر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار کے لئے انہوں نے ایک بہت ہی نرالا انداز اختیار کیا ہے۔ کہتے ہیں۔

اب منتظر شور قیامت نہیں غالب
دنیا کے ہر ایک ذرے میں سو حشر بپا ہیں

تخلیق کائنات کے ضمن میں غالب نے ایک اور عجیب و غریب امر کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ ذکر بھی ان کے کلام میں اشارہ کے رنگ میں ملتا ہے۔ وہ عجیب و غریب امر یہ ہے کہ حرکت انرجی (توانائی) کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہے اور انرجی یا توانائی کا ماخذ آگ اور اس کی گرمی سے کائنات کے ذرہ ذرہ کا متحرک ہونا اس امر کو مستلزم ہے کہ اس کے ذرہ ذرہ میں آگ بھری ہوئی ہے لیکن وہ آگ ذرہ میں پوشیدہ طور پر اسی طرح سمائی ہوئی ہے جیسے کوزہ میں دریا کو سما دیا گیا ہو۔ اس پوشیدہ آگ سے پیدا ہونے والی توانائی کی وجہ سے ہی ہر ذرہ اضطراب آمادہ ہے۔ یعنی مسلسل حرکت میں رہنا اس کی فطرت میں داخل ہے، اس کی طرف ایک اشارہ تو اس شعر میں ہی موجود ہے جو ذرات کے اضطراب آمادہ ہونے کے تعلق میں پہلے ہی بیان ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے۔

کس کی برق شوخی رفتار کا دلدادہ ہے
ذرہ ذرہ اس جہاں کا اضطراب آمادہ ہے

اس شعر میں ذرہ کی حرکت کا سبب برق کو قرار دیا گیا ہے اور کے طور پر بتایا یہ گیا ہے کہ قدرت نے تیز رفتار بجلی ذرہ ذرہ میں سمو رکھی ہے۔ جس نے اسے اضطراب آمادہ یعنی سیماب صفت بنا چھوڑا ہے جس کی وجہ سے وہ خود کار مشین کے پرزوں کی طرح متحرک بنا ہوا ہے وہ ہر وقت حرکت میں ہے اور اسے کسی طور قرار نہیں ہے۔ قرار اس کی فطرت کے خلاف ہونے کے باعث اس کے لئے موت کا حکم رکھتا ہے۔ مزید برآں ایک اور شعر میں بھی غالب نے "جوہر اندر" کا ذکر کر کے ایٹم میں پوشیدہ بے پناہ انرجی یعنی سب کچھ بھسم کر دینے والی توانائی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ غالب کے اپنے زمانہ میں اس شعر کی بے وقت کی راگنی سے زیادہ کوئی حیثیت نہ تھی۔ شعر ملاحظہ فرمائیے۔ پہلی نظر میں یہ ان مل یعنی بے جوڑ بات کی جیتی جاگتی تصویر نظر آئے گا۔ غالب کہتے ہیں۔

عرض کیجئے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

بے سروپا نظر آنے والے اس شعر نے ایٹمی توانائی کے موجودہ دور میں شارحین کلام غالب کے شعور کو ایک نئی جلا بخشی اور انہوں نے اس کا وہ دور دور رس مفہوم ڈھونڈ نکالا جو پہلے نگاہوں سے یکسر اوجھل تھا۔ چنانچہ مولانا غلام رسول مہر کلام غالب کی شرح "نوائے سروش" میں اس شعر کے مشکل الفاظ کے معانی اور پھر اس کی شرح درج کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"جوہر اس چیز کو کہتے ہیں جو قائم بالذات ہو۔ اس سے مراد مادے کا وہ ذرہ لیتے ہیں جس کا تجزیہ نہ ہو سکے اسی لئے اسے جزو لاتجزیٰ کہتے تھے لیکن معلوم ہے کہ یہ نظریہ مدت ہوئی غلط ثابت ہو چکا ہے اور اب جوہر یعنی ایٹم کا تجزیہ کر کے ایسی قوت دریافت کر لی گئی ہے جسے بے پناہ مانا جاتا ہے۔ عجیب امر یہ ہے

کہ غالب نے اس شعر میں میں جوہر کا یہی پہلو مدنظر رکھا ہے۔

مرزا غالب کہہ یہ رہے ہیں کہ میں سوچ بچار اور غور و فکر کے جوہر کی گرمی کہاں ظاہر کروں، کس مقام پر دکھاؤں، کیونکر معرض وجود میں لاؤں؟ صورت حال یہ ہے کہ وحشت کا خیال آتے ہی صحرا جل کر راکھ ہو گیا۔ دشت میں صحرا گردی ہی پیش نظر تھی مگر صحرا جو ہر اندیشہ کی گرمی کا تصور بھی برداشت نہ کر سکا۔ آج جوہر یعنی ایٹم کی قوت مرزا کے اس بیان کی تصدیق کر رہی ہے یعنی وہ اتنی ہولناک ہے کہ کوئی شئی اس کا تصور بھی دماغ میں لے آئے تو جل کر خاک ہو جائے۔"

غالب کے زمانہ میں یہ سب باتیں عام انسانوں کے فہم و ادراک سے بالا تھیں اسی لئے لوگوں نے انہیں مشکل گو اور بے سروپا باتیں کرنے والا شاعر قرار دیا۔ لیکن بعد کے زمانہ میں طبیعیات کے علم نے ترقی کر کے ان سب باتوں کو دو اور دو چار کی طرح صحیح ثابت کر دکھایا۔

کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ غالب اپنے زمانہ کے بہت بڑے ماہر طبیعیات تھے۔ بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ انہوں نے تو گہرے مشاہدے اور خداداد فہم و فراست سے کام لے کر اندازے اور قیاس کے رنگ میں جو کچھ محسوس کیا اسے حقیقت کے طور پر اپنے اشعار میں پیش کر دیا۔ ان کے دور کے لوگوں نے ان کی باتوں کو مجذوب کی بڑ قرار دے کر خندہ استہزاء میں اڑانے کی کوشش کی لیکن زمانہ جب کروٹ لے کر نئے رنگ میں آیا تو اس نے غالب کے قیاس کی تائید کر کے ثابت کر دکھایا کہ وہ ایک ایسا شاعر حقائق نگر تھا جو مستقبل میں جھانکنے اور دوسروں کو اس کا نظارہ کرانے سے بہرہ ور تھا۔

عرفان ذات حق نیز تخلیق کائنات کے مقصد کی وضاحت کے بعد غالب کے کلام کا تیسرا امتیاز جو انہیں شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں ممتاز مقام دلانے کا موجب ہوا وہ انسان کی زندگی اور اس کی فطرت سے متعلق بعض حقائق کو اپنے مخصوص پیرایہ اظہار کے ذریعہ آشکار کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے پہلی اور بنیادی بات یہ بیان کی ہے کہ یہ کائنات اپنی تمام تر وسعت اور اس میں جاری و ساری نظام کی حکمت کے باوجود مستقل پائیدار اور ہمیشہ قائم رہنے والی چیز نہیں ہے۔ اس کا وجود سراسر عارضی ہونے کے باعث ہر آن فنا کی زد میں ہے اور بالآخر نیست و نابود ہو جانے والا ہے اس لئے انسان کا اپنا وجود بھی جس کی خاطر یہ سارا کارخانہ عالم معرض وجود میں لایا گیا ہے یقینی طور پر فنا ہو جانے والا وجود ہے۔ وہ کائنات اور اس کے تمام اجزاء کی ناپائیداری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ہیں زوال آمادہ اجزاء آفرینش کے تمام
مہر گردوں ہے چراغ رہگزار بادیاں

یعنی کائنات کی شکل میں جو کچھ بھی خدا نے پیدا کیا ہے وہ تمام کا تمام اپنی ظاہری پائیداری کے باوجود مائل بہ منزل ہے حتیٰ کہ سورج جسے کائنات میں مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور جس کے گرد تمام اجرام فلکی گھوم رہے ہیں اور جو پوری کائنات کو روشنی پہنچانے کا عظیم ذریعہ ہے۔ اس کی حیثیت سرراہ جلنے والے مٹی کے اس دیئے سے زیادہ نہیں ہے جسے ہوا کا ایک جھونکا بجھا سکتا ہے۔

پھر ایک بہت ہی لطیف مثال کے ذریعہ زندگی کی ناپائیداری کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غالب
گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

یعنی اے غافل انسان! اس دنیا میں انسان کی زندگی کی مہلت لمحہ بھر میں گزر جانے والی ایک نظر سے زیادہ نہیں ہے۔ خود نظر کی ناپائیداری کا یہ عالم ہے کہ نظر اٹھائی، دیکھا اور ختم ہو گئی۔ دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کی مہلت پلک جھپکنے تک محدود ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ ہستی ایک بزم ایک انجمن ہے اس کی گرمی اور رونق صرف اتنی ہوتی ہے جتنی دیر میں چنگاری تڑپ کر اٹھے اور ختم ہو جائے۔ زندگی

کی مہلت کو یک نظر اور رقص شرر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ غالب نے ہرگز مبالغہ سے کام نہیں لیا۔ قرآن مجید کی رو سے جب خدا کے نزدیک ایک دن ہزار سال کے برابر ہے تو اس اعتبار سے انسانی زندگی کی مہلت یک نظر اور رقص شرر سے زیادہ کیسے قرار پاسکتی ہے۔

غالب ایک اور شعر میں کہتے ہیں کہ جب انسان کی زندگی اس قدر ناپائیدار ہے تو انسان کو اس احساس سے عاری نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ہر یک سانس کے ساتھ موت کے قریب ہوتا جا رہا ہے اور مسلسل فنا کے راستہ پر گامزن ہے۔ کس قدر حقیقت بیانی سے کام لیا ہے غالب نے اس شعر میں

زندگی رہرو راہ فنا ہے اے اسد
ہر نفس ہستی سے تا ملک عدم اک جادہ ہے

جب زندگی کی ناپائیداری کا یہ عالم ہے تو غالب انسان کو مخاطب کر کے کیوں نہ کہیں

یہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ "ہے" نہیں ہے

انسان کی حیات اور اس کی فطرت کے بارہ میں دوسری بات غالب نے یہ کہی ہے کہ خدا نے انسانی زندگی کو نہ تمام تر خوشی سے عبارت کیا ہے اور نہ غم سے بلکہ زندگی میں خوشی اور غم کے دور ادل بدل کر آتے رہتے ہیں اور اس لئے آتے رہتے ہیں کہ تا انسان تعرف الاشیاء باضدادھا کی رو سے متضاد حالتوں میں سے گزرنے کے باعث ان کے احساس سے ہمکنار ہو سکے۔ اگر خوشی کے بالمقابل غم سے کبھی واسطہ ہی نہ پڑے تو انسان کو خوشی کی اہمیت اور اس سے حاصل ہونے والی فرحت کا احساس ہی نہ ہو۔ اس لئے غم میں سے خوشی پھوٹ نکلتی ہے اور اسی طرح خوشی میں بھی غم کا پہلو چھپا ہوا ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ دیکھئے غالب نے زندگی کی اس حقیقت کو اپنے اس شعر میں کس خوبی سے بیان کیا ہے۔

سکوت و خامشی اظہار حال بے زبانی ہے
کمین درد میں پوشیدہ راز شادمانی ہے

باور یہ کرایا گیا ہے اس شعر میں کہ درد و غم میں مبتلا ہونے کے باوجود واویلا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنے اظہار حال کا ذریعہ خاموشی کو ہی بنانا چاہئے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ درد و غم کی کیفیت بہرحال عارضی ہے اور اس کے پردہ میں ہی خوشی چھپی ہوئی ہے۔ غم کی یہ کیفیت رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی اور خوشی کا دور پھر عود کر آئے گا۔

اس لئے ایک اور شعر میں باور کراتے ہیں کہ خوشی کا دور آنے پر آپے سے باہر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھنا چاہئے۔ خوشی کے دور میں انسان جس قدر اپنے آپ کو سنبھال کر رکھے گا غم کے آنے پر وہ حال سے بے حال نہ ہوگا اور زندگی کا لازمہ سمجھتے ہوئے اسے آسانی سے برداشت کر لے گا۔ اس لئے خوشی کو عارضی سمجھ کر اس کیفیت میں سے دبے پاؤں گزر جانا چاہئے۔ کہتے ہیں۔

شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے
اردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

قدیمی ایرانی کیلنڈر کی رو سے موسم بہار کے مہینہ کا نام "اردی" ہے اور خزاں کے منہ کو "دے" کہتے ہیں۔ غالب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر بہار کا موسم نہ ہو تا تو خزاں بھی نہ ہوتی۔ جس طرح بہار اور خزاں لازم و ملزوم ہیں اسی طرح خوشی اور غم دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے کہ خوشی کی کیفیت اور غم کی کیفیت دونوں عارضی ہیں انسان کو چاہئے کہ وہ خوشی کے زمانہ کو اس طرح گزارے کہ اس کے جانے پر اسے غم نہ ہو اور غم کے دور میں سے اس طرح گزرے کہ غم اسے نڈھال یا حال سے بے حال نہ کر سکے۔ وہ ہر حال میں مگن رہے اور خدا کے شکر سے کبھی غافل نہ ہو۔ اسی مضمون کو غالب نے ایک اور انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

بار بار مرنے اور بار بار جینے ہی کا تو نام زندگی ہے اگر زندگی ایک ہی نہج پر چلتی رہے اور اس میں اتار چڑھاؤ نہ آئے تو وہ بے کیف ہو کر رہ جائے۔ سارا کیف تگ و تار میں ہی مضمر ہے اور زندگی میں اتار چڑھاؤ کی کیفیت ہی انسان کو تگ و دو پر ابھارتی ہے۔ غالب نے خوشی اور غم دونوں حالتوں کو صحیح رنگ میں گزارنے کے طریق کی بھی نشان دہی کی ہے اور وہ طریق یہ ہے کہ انسان خدا اور اس کی مخلوق کی محبت میں سرشار رہے۔ یہ محبت اسے خوشی اور غم دونوں حالتوں میں بہلنے اور بھٹکنے نہیں دے گی کیونکہ محبت کی تپش ہی ایک ایسی تپش ہے جس میں انسان کے لئے دائمی اجالے کا سامان ہے۔ اس اہم نکتہ کی طرف غالب نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

گداز داغ دل شمع بساط خانہ ویرانی
تپش گاہ محبت میں فروغ جاودانی ہے

اس نکتہ پر غالب نے ایک اور شعر میں بھی روشنی ڈالی ہے لیکن ڈالی ہے ایک اور انداز سے۔ وہ انداز یہ ہے کہ اگر انسان اپنے دل کو عشق و محبت کے درد لادوا سے آشنا کرلے تو اسے ہر درد سے نجات مل جائے گی اور اس طرح وہ اس دنیا میں ہی زیست کے مزے سے ہمکنار ہو جائے گا۔ زیست کے اس دائمی مزہ پر نہ خوشی اثر انداز ہوگی۔ اور نہ غم اس پر کوئی اثر ڈال سکے گا۔ کیسے اوق مضمون کو کس قدر سادہ انداز میں ادا کیا ہے یہ کہہ کر

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

کلام غالب کے بعض نمایاں پہلوؤں کے اس مختصر تذکرہ سے یہ حقیقت عیاں ہوئے بغیر نہیں رہتی کہ مرزا غالب محض ایک شاعر ہی نہ تھے بلکہ مشاہدہ و معائنہ، غور و خوض اور تدبر و تفکر کی غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والے بہت بڑے حقیقت نگر اور بلند پایہ دانشور بھی تھے۔ اس لئے ان کا کلام معرفت فرات حق، تخلیق کائنات کے رموز و اسرار اور انسان حیات اور فطرت کے غوامض و حواطف سے مالا مال ہے۔ ان کے کلام کا یہ منفرد وصف ہی انہیں شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں ارفع و اعلیٰ مقام دلانے کا موجب ہوا اور سچ یہ ہے کہ یہ ارفع و اعلیٰ مقام انہیں ہمیشہ حاصل رہے گا اور فروغ جاودانی ان کا مقدر بنا رہے گا۔

عبیداللہ صاحب علیم کی دو غزلیں

ان دنوں روح کا عالم ہے عجب
جیسے جو حسن ہے میرا ہے وہ سب

جیسے اک خواب میں نکلا ہوا دن
جیسے اک وصل میں جاگی ہوئی شب

دل پہ کھلتا ہے اسی موسم میں
غم کسے کہتے ہیں اور کیا ہے طرب

جس سے ہو جائے جہاں ہو جائے
ہے محبت ہی محبت کا سبب

جانفزا ہے جو عطا کرتے رہو
بوسۂ لب کی طرح بوسۂ لب

پہلے اک ناز بھرا ربط و گریز
اس نے پھر بخش دیا سب کا سب

تم سا کیا ہوگا یہاں خواب کوئی
مجھ سا کیا ہوگا کوئی خواب طلب

ان دنوں روح کا عالم ہے عجب
جیسے جو حسن ہے میرا ہے وہ سب

جیسے اک خواب میں نکلا ہوا دن
جیسے اک وصل میں جاگی ہوئی شب

دل پر کھلتا ہے اسی موسم میں
غم کسے کہتے ہیں اور کیا ہے طرب

جس سے ہو جائے جہاں ہو جائے
ہے محبت ہی محبت کا سبب

جانفزا ہے جو عطا کرتے رہو
بوسہ لب کی طرح بوسہ لب

پہلے اک ناز بھرا ربط و گریز
اس نے پھر بخش دیا سب کا سب

تم سا کیا ہوگا یہاں خواب کوئی
مجھ سا کیا ہوگا کوئی خواب طلب

کاش تعبیر میں تم ہی نکلو
جب کوئی خواب ہو تعبیر طلب

اس کے عشاق جہاں بھی دیکھو
ایک ہی نشے میں ڈوبے ہوئے سب

سلسلے اس سے جو مل جائیں تو ٹھیک
ورنہ جھوٹے ہیں یہ سب نام و نسب

لوگ موجود ہیں اب بھی جن کے
منہ سے جو بات نکل جائے ادب

سایہ زلف میں مر جاؤں علیم
کھینچ لے گر نہ مجھے سایہ رب

کوئی لاکھ سمندر پی جائے
کوئی لاکھ ستارے چھو آئے

کوئی پیاس کہیں رہ جاتی ہے
کوئی آس کہیں رہ جاتی ہے

کوئی زیست کا ساغر بھرتا ہے
کوئی پھر خالی ہو جاتا ہے

کوئی لمحے بھر کو آتا ہے
کوئی پل بھر میں کھو جاتا ہے

کوئی پیاس کہیں رہ جاتی ہے
کوئی آس کہیں رہ جاتی ہے

☆☆☆☆

کاش تعبیر میں تم ہی نکلو
جب کوئی خواب ہو تعبیر طلب

اُس کے عشاق جہاں بھی دیکھو
ایک ہی نشے میں ڈوبے ہوئے سب

سلسلے اُس سے جو مل جائیں تو ٹھیک
ورنہ جھوٹے ہیں یہ سب نام و نسب

لوگ موجود ہیں اب بھی جن کے
منہ سے جو بات نکل جائے ادب

سایۂ زلف میں مر جاؤں مسلم
کھینچ لے گر نہ مجھے سایۂ رب

۲۶/۲/۹۲

کرکٹ کے عالمی کپ سے کیسے لطف اندوز ہوا جائے

("مدیر خالد" کے قلم سے)

مئی میں کرکٹ کا سب سے بڑا اور اہم ٹورنامنٹ "ورلڈ کپ" شروع ہو رہا ہے جو کہ جون کے مہینہ میں بھی جاری رہے گا۔ (اس کا تفصیلی پروگرام آپ اس شمارے میں پڑھ سکتے ہیں) کافی دلچسپ اور سنسنی خیز مقابلے آپ دیکھ سکیں گے اور کئی دلچسپ ریکارڈ اور باتوں کا اضافہ بھی ہوگا۔ جن ممالک کی ٹیمیں حصہ لے رہی ہیں لازمی بات ہے کہ اپنے وطن کے حوالے سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوگی کہ ہمارا ملک کرکٹ کا یہ تاج حاصل کرے۔ پھر اپنی اپنی پسندیدہ ٹیموں کے حوالے سے بھی خواہش ہوگی کہ فلاں ٹیم آگے آئے یہاں تک کہ انفرادی طور پر کھلاڑیوں سے بھی توقعات ہوں گی کہ وہ بہترین کھیل پیش کرسکیں۔ یہ تمام خواہشات اور تمنائیں اس ورلڈ کپ کے ساتھ ہی شروع ہوں گی۔

ایسا ہی یہ ایک پہلو ہے کہ بعض ممالک تو ایک ایک مرتبہ یا ایک سے زائد مرتبہ یہ ٹورنامنٹ جیت چکے ہیں لیکن بعض ایک مرتبہ بھی نہیں جیتے جیسے خصوصاً جنوبی افریقہ' نیوزی لینڈ' انگلینڈ' زمبابوے اور ان میں بعض تو فائنل تک بھی نہیں پہنچ پائے جیسے نیوزی لینڈ' زمبابوے اور جنوبی افریقہ۔ ان میں سے بعض کی کارکردگی کمزور رہی اور بعض کو ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کو عام طور پر "LUCK" یعنی قسمت کا نام دے دیا جاتا ہے۔ کیا پتہ کہ اس مرتبہ یہ "قسمت کی دیوی" کس پر مہربان ہو جائے۔

اور ہاں اس ورلڈ کپ کے ساتھ ایک اور خیال "توہم" کا رنگ اختیار کرتا جارہا ہے اور وہ یہ کہ جو ملک بھی عالمی کپ کرواتا ہے وہ یہ ٹورنامنٹ جیت نہیں سکا۔ اس کو اتفاق بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس پہلو سے بھی یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ اس مرتبہ "اتفاق" کیا ہوگا۔ انگلینڈ یہ ٹورنامنٹ تیسری مرتبہ اپنی سرزمین پر کروا رہا ہے۔

بہرحال بارہ (۱۲) ٹیموں کے مابین دلچسپ اور سنسنی خیز مقابلے چودہ (۱۴) مئی سے شروع ہو رہے ہیں۔ یہ مقابلہ جیت کر فتح کا سہرا کس کے سر سجتا ہے یہ تو جون میں ہونے والے فائنل کا نتیجہ بتائے گا البتہ ایک مقابلہ اس کے ساتھ ساتھ اور شروع ہوگا اور وہ ہے کرکٹ کے شائقین کا ان کے اپنے نفس کے ساتھ۔ کرکٹ کا کوئی بھی مقابلہ عموماً اور ورلڈ کپ جیسے مقابلے خصوصاً ہمارے ملک میں ایک وباء کی طرح شائقین کو متاثر کرتے ہیں۔ پورے کا پورا ملک جیسے اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور یہ صورت حال اس وقت سخت تکلیف دہ ہوتی ہے جب یہ منظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ اپنے اپنے کاموں اور اپنے فرائض سے غافل ہو کر' ان کو چھوڑ کر کرکٹ کی طرف توجہ ہو رہی ہوتی ہے۔ سکول' کالج میں تو طالب علم کتابوں کاپیوں کی بجائے کنٹری کے لئے ریڈیو بغلوں میں دبائے ہوئے ہوتے ہیں۔ دفاتر میں فائلوں کی بجائے ٹی وی کی طرف نظریں جمی ہوتی ہیں۔ دوکاندار کو گاہکوں کی نسبت کہیں زیادہ جستجو اور تجسس باؤلر اور بیٹسمین کی ہوتی ہے۔ الغرض سارے کام اور کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بھلا ہمارا ملک کس طرح یہ "عیاشی" برداشت کرسکتا ہے۔ ترقی کرنے والی قومیں تو مزدور کی سی مزدوری کرکے آگے جایا کرتی ہیں نہ یہ کہ ایسی بے کار اور بے مقصد ذہنی عیاشی کے ساتھ ملک و قوم کو کروڑوں اربوں روپے کا اقتصادی نقصان پہنچا دیا جائے۔

بھلا کھیل تماشوں یا کھیل تماشہ نہ بھی سہی اس طرح کی تفریحات کے لئے فرائض / DUTIES کو چھوڑ کر دوسرے

درجہ کی ضمنی باتوں میں کھو جانا اور انہیں اپنے فرائض پر حاوی کر دینا کہاں کی عقلمندی اور انصاف ہے۔ یہ تو گھاٹے کا سودا ہے۔ تباہی اور نقصان کا کاروبار ہے۔

اور اس طرح تو لطف اندوز نہیں ہوا کرتے۔ کسی کا یا اپنی جان کا نقصان کرکے، اس کو تباہ کرکے، اس کو ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل کر، لطف اندوز ہونا تو نادانی کی باتیں ہیں۔ بے سمجھی کی باتیں ہیں اور مومن اور ایک احمدی خادم کی شان سے ایسا سب کچھ بعید ہے۔ وہ گھاٹے کا سودا کرنے والا نہیں ہونا چاہئے۔ وہ تو ان اسلاف کے جانشین ہیں کہ جنہوں نے اپنے فرائض، دین کے احکام کے سامنے کسی چیز کو حائل نہیں ہونے دیا۔ سیر و تفریح تو دور کی بات ہے بڑی سے بڑی تکلیف اور دکھ کے موقع پر بھی انہوں نے اپنے فرائض میں تساہل سے کام نہیں لیا اور ایک موقعہ یا ایک فرد کی بات نہیں خدا کے پیاروں اور اس کا قرب چاہنے والوں کی تو یہی شان ہوا کرتی ہے۔ ابھی چند ہی روز ہوئے خاکسار رسالہ "نقوش" کا لاہور نمبر پڑھ رہا تھا تو اس میں مسجد چینیانوالی لاہور کے تذکرے کے ضمن میں حضرت سید عبداللہ غزنوی کا ایک واقعہ پڑھا۔ (سید محمد عبداللہ غزنوی صاحب کشف و الہام بزرگ تھے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے بہت محبت سے ان کا ذکر فرمایا ہے) یہ کچھ عرصہ مسجد چینیانوالی میں حدیث کا درس دیتے رہے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ درس کے دوران آپ کو آپ کے بیٹے کے قتل کروائے جانے کی اطلاع ملی۔ جب آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے ایک منٹ کا توقف فرمایا اور اس کے بعد کہنے لگے کہ:

ما برضائے او راضی ہستیم
بیائید کہ کار خود بکنیم

یعنی ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔ آیئے اب اپنے کام میں مصروف ہو جائیں اور یہ کہہ کر دوبارہ درس میں مشغول ہوگئے۔

تو یہ ہے اپنے فرائض کا احساس اور ترجیحات۔ ابھی چند دن ہوئے ایم ٹی اے پر نشر ہونے والی اردو کلاس میں "بڑا بچہ" مکرم و محترم جناب آڈو صاحب لیٹ آئے اور وجہ یہ تھی کہ ان کی بیگم کے چچا فوت ہوگئے تھے۔ اس پر حضور نے جو ارشاد فرمایا وہ ہماری ترجیحات اور ہماری زندگیوں کا اصول ہونا چاہئے۔ آپ نے فرمایا:-

"میرا اصول ہے کہ خواہ کوئی پیدا ہو خواہ کوئی فوت ہو کلاس میں حاضری بروقت لازمی ہے"۔

اس طرح کی بے شمار باتیں اور مثالیں ہمارے بزرگ اسلاف کی ملیں گی کیونکہ ان سب نے زندگیوں کے ڈھنگ سیکھے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے اسوہ سے، آپ کے نمونہ سے اپنی زندگیوں میں رنگ بھرے ہیں۔ آنحضرتؐ کا اپنا اسوہ کیا تھا؟

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ گھر میں تشریف فرما ہوتے تو ہمارے ساتھ ہنستے کھیلتے، ہم لطف اندوز ہوتے گویا بہت ہی اچھے موڈ میں ہوتے لیکن فرماتی ہیں کہ جونہی اذان کی آواز کانوں میں پڑتی تو مسجد کی طرف ایسے لپکتے جیسے ہمیں جانتے ہی نہ ہوں۔

تو یہ ہے زندگی سے لطف اندوز ہونے کا طریق، اس طرح وقت گزارنا چاہئے کہ فرائض سے غافل نہ ہوں اور اس میں سب سے اول نمبر پر نماز کا فریضہ ہونا چاہئے۔

اب یہ جو کرکٹ شروع ہوگا تو خاص طور پر پاکستان میں جس وقت براہ راست دیکھا جائے گا تو نماز عصر، مغرب، عشاء یہ تین نمازیں اس دوران آئیں گی اور ظاہر ہے کہ جب مسلسل یہ میچ دیکھے جائیں گے تو تہجد اور فجر کی نماز بھی متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لئے نوجوانوں یا ہمارے احمدی خادم کا یہ کام اور بہادری ہونی چاہئے کہ اس کی نماز اس سے متاثر نہ ہونے پائے۔ اس کی ڈیوٹی، اس کے فرائض اسی تسلسل سے جاری رہیں۔ یہ رکنے نہ پائیں۔

ہم دنیاداری کے دنیاوی کاموں میں لاتعداد مثالیں ایسی دیکھتے ہیں کہ کوئی خوشی یا غمی ان کے کاموں میں روک نہیں بنتے

پاتی تو بھلا کیسے ممکن ہے کہ ایک کھیل تماشہ، نماز جیسے اہم ترین کام میں روک بن سکے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ خیال یا اہتمام ہو کہ نماز ادا کرنے کا طریق بدل جائے کہ گھر میں ادا کر لی۔ یہ تو مردوں والی نماز نہ ہوئی بلکہ عورتوں کے لئے ہے کہ وہ گھر میں نماز ادا کریں۔ مرد کی نماز تو "بیت الذکر" میں ہوتی ہے اور وہ بھی باجماعت، وقت پر۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آخری اوورز ہو رہے ہوتے ہیں یا بڑی دلچسپ صورت حال ہو جاتی ہے اور دل نہیں کرتا کہ اب اس کو چھوڑا جائے تو یہ بھی ایک امتحان ہے۔ ایک فیصلہ کی گھڑی ہے کہ ان چند اوورز کو ترجیح دی جائے یا نماز کو جس کا وقت بیت الذکر میں ہوا چاہتا ہے، بڑی ہی حماقت ہوگی کہ نماز کو جانے دیا جائے اور اس چند لمحوں کے عارضی مزے کی کیفیت کو ترجیح دی جائے۔ ایسے مواقع پر یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ ایسے وقت میں بجلی بھی تو جا سکتی ہے، کوئی ایسا حادثہ یا تکلیف بھی آسکتی ہے جس کی وجہ سے میچ کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو پھر کیا فائدہ ہوا کہ:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

اس سے کہیں بہتر ہے کہ خدا کی آواز پر کان دھریں اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نماز کے لئے جا پہنچیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو نماز کے لئے بروقت حاضر ہونے کے لئے فرماتے ہیں:۔

"اگر سارا گھر غارت ہوتا ہو تو ہونے دو مگر نماز کو ترک مت کرو"۔

(ملفوظات جلد سوم (طبع جدید) صفحہ ۵۹۱۔۵۹۲)

چند لمحوں کے لئے سوچیں کہ اگر سب کچھ قربان کر کے چند اوورز دیکھ بھی لئے تو کیا کما لیا، کیا حاصل کر لیا۔ خدا اور اس کے رسول کو ناراض کر کے باقی بچا کیا جو ملا۔ کچھ بھی تو نہیں اس لئے ان مقابلوں کے ساتھ ساتھ ایک میدان ہمارا اپنا بھی ہے کہ ہم میں سے اس میدان فرائض اور نمازوں کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا اور اصل جیت اور ہار یہی ہوگی۔ وہ ہار یا جیت تو ایک وقتی، عارضی اثر رکھے گی لیکن ہماری اس جیت یا ہار کے نتائج دور رس اور دائمی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں کھیل کھیل میں ہم بری طرح ناکامی اور شکست سے دوچار نہ ہو جائیں اور بقول ایک پنجابی شاعر کے:

نی میں ہاسیاں وچ یار گوایا تے ہوکیاں وچ لبھدی پھراں

(کہ میں نے ہنسی ہنسی میں اپنا محبوب ناراض کر کے کھو دیا اور اب رو رو کے برا حال ہے۔ میں محبوب کو ڈھونڈ رہا ہوں لیکن وہ ہے کہ اب مل نہیں رہا)

ہاں باقی فرصت ہے اس میں یہ دیکھیں اور ضرور دیکھیں۔ لطف اندوز ہوں۔ اپنے آرام کے وقت کی قربانی دیں۔ جو زائد تفریحات تھیں ان کو چھوڑ دیں اور میچ دیکھیں لیکن اصل کاموں کو ترک مت کریں کیونکہ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ لغو سے اعراض کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کھیل ہے، کام ہے بہت اچھا ہے بھلا وہ لغو کیسے ہو گیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشادات اور اس کے علاوہ جگہ جگہ یہ راہنمائی ملتی ہے جس کی روشنی میں اس بات کو آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اس طرح کی بے شمار باتیں اور کام واقعۃً لغو میں نہیں آتے۔ دراصل ہمارا ردعمل اس کو لغو بناتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ کرکٹ میچز دیکھنے کا فعل ہے، تو یہ لغو نہیں ہوگا لیکن جب ہم اپنے فرائض چھوڑ کر ٹی وی کے سامنے بیٹھیں رہیں گے تو وہی کرکٹ میچ لغو بنتا چلا جائے گا اور اگر خدانخواستہ نمازیں بھی اس پر قربان ہوگئیں تو لغو ترین فعل بن جائے گا تو ہر وہ چیز جو مومن کو اس کے کام سے روک دے، غافل کر دے وہ لغو بن جائے گی اور مومن لغو سے اعراض کرتا ہے۔

بہرحال بات تو صرف اتنی اپنے نوجوانوں سے کرنا تھی کہ آپ کرکٹ کا عالمی کپ کس طرح دیکھیں۔ کس طرح لطف اندوز ہوں۔ اصل لطف اندوز ہونے کا انداز تو یہ ہے۔ اس طرح زندگیوں میں رنگ بکھر جاتے ہیں۔ ورنہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سب کام کاج چھوڑ کر لغویات کو اختیار کرنے والوں کی

بقیہ صفحہ 41 پر

کرکٹ عالمی کپ کا سفر ۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۹ء تک

(عبدالحلیم سحر۔ دفتر امانت تحریک جدید)

کرکٹ کا پہلا عالمی کپ ۱۹۷۵ء میں انگلینڈ کی سرزمین پر کھیلا گیا۔ اس میں آٹھ ملکوں کی ٹیموں نے شرکت کی۔ اسی طرح ۱۹۷۹ء کا عالمی کپ بھی انگلینڈ میں ہی ہوا۔ ویسٹ انڈیز کی ٹیم نے یہ دونوں کپ جیتے۔ ان دونوں ٹورنامنٹس میں ویسٹ انڈیز کوئی بھی میچ نہ ہارا۔ ۱۹۸۳ء کا عالمی کپ انڈیا نے جیتا۔ انڈیا نے ویسٹ انڈیز جیسی مضبوط ٹیم کو اس ٹورنامنٹ میں دو دفعہ شکست دی۔ ایک لیگ میچ میں اور دوسرا فائنل میں۔

اس کے بعد ۱۹۸۷ء کے عالمی کپ کی میزبانی کا اعزاز پاکستان اور انڈیا نے مشترکہ طور پر حاصل کیا۔ اس ٹورنامنٹ میں پاکستان اور انڈیا دونوں موسٹ فیورٹ تھیں لیکن انگلستان اور آسٹریلیا نے دونوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور فائنل میں پہنچیں۔ آسٹریلیا نے دلچسپ اور سخت مقابلے کے بعد انگلستان کو ہرا دیا۔

۱۹۹۲ء کا عالمی کپ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں منعقد ہوا۔ اس میں جنوبی افریقہ کی ٹیم نے پہلی مرتبہ شرکت کی۔ اس ٹورنامنٹ میں ہر ٹیم نے ایک دوسرے کے ساتھ کھیلنا تھا۔ اس ٹورنامنٹ میں نیوزی لینڈ کی ٹیم مارٹن کرو کی قیادت میں تیزی سے فائنل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پاکستان سے اپنا میچ کھیلنے سے پہلے نیوزی لینڈ کی ٹیم اپنے تمام میچ جیت چکی تھی۔ پاکستان جس کے چانسز بہت کم تھے وہ معجزانہ طور پر آگے آیا اور نیوزی لینڈ کو پہلے لیگ میچ میں شکست دی اور پھر سیمی فائنل میں ہرایا اور فائنل میں انگلستان کو ہرا کر یہ کپ عمران خان کی قیادت میں جیتا۔

۱۹۹۶ء کا عالمی کپ پاکستان، انڈیا اور سری لنکا میں مشترکہ طور پر ہوا۔ اس میں آسٹریلیا بہت فیورٹ تھا لیکن سری لنکا نے اسے کھیل کے ہر شعبہ میں بری طرح مات دے کر یہ عالمی کپ جیتا۔ اب ہم ہر عالمی کپ کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

۱۹۷۵ء کا عالمی کپ

انگلستان میں جون میں منعقد ہوا۔ اس میں کل آٹھ ٹیموں نے شرکت کی۔ (پاکستان، انڈیا، سری لنکا، ویسٹ انڈیز، انگلستان، نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور مشرقی افریقہ) اس میں A اور B دو گروپ بنائے گئے۔

آسٹریلیا، انگلستان، ویسٹ انڈیز اور نیوزی لینڈ کی ٹیمیں سیمی فائنل میں پہنچیں۔ ایک سیمی فائنل میں آسٹریلیا نے لیڈز کے میدان میں انگلستان کو ۴ وکٹ سے شکست دی۔ انگلستان کی ٹیم صرف ۹۳ رنز پر آل آؤٹ ہوگئی۔ جواب میں آسٹریلیا نے ۶ وکٹوں کے نقصان پر ۹۴ رنز بنائے۔

دوسرے سیمی فائنل میں ویسٹ انڈیز نے نیوزی لینڈ کو ۵ وکٹوں سے ہرایا۔ سکور اس طرح رہا۔ نیوزی لینڈ ۱۵۸ آل آؤٹ، ویسٹ انڈیز ۱۵۹ رنز پر پانچ کھلاڑی آؤٹ۔

فائنل میچ لارڈز کے تاریخی میدان میں ویسٹ انڈیز اور آسٹریلیا کے درمیان کھیلا گیا جو ویسٹ انڈیز نے ۱۷ رنز سے جیت لیا۔ سکور یہ رہا۔ ویسٹ انڈیز نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے ۲۹۱ رنز آٹھ وکٹوں کے نقصان پر بنائے۔ جواب میں آسٹریلیا کی پوری ٹیم ۲۷۴ کے سکور پر آؤٹ ہوگئی۔ اس طرح ویسٹ انڈیز نے ون ڈے کرکٹ کی تاریخ کا پہلا عالمی کپ ۱۷ رنز سے جیت کر حاصل کیا۔

اس عالمی کپ میں ایک ٹیم کا زیادہ سے زیادہ سکور ۳۳۴/۴ رہا۔ یہ انگلستان نے انڈیا کے خلاف لارڈز کے

میدان میں کیا۔ انفرادی سکور زیادہ سے زیادہ ۱۷۱ رنز ناٹ آؤٹ نیوزی لینڈ کے G-M-TURNER نے امارات کے خلاف کیا۔

۱۹۷۹ء کا عالمی کپ

۱۹۷۹ء کا عالمی کپ بھی انگلستان میں کھیلا گیا۔ یہ بھی ویسٹ انڈیز نے جیتا۔ سیمی فائنل میں ویسٹ انڈیز' پاکستان' انگلستان اور نیوزی لینڈ پہنچے۔ پہلا سیمی فائنل جو اوول کے میدان میں کھیلا گیا ویسٹ انڈیز نے پاکستان کو ۴۳ رنز سے ہرا دیا۔ ویسٹ انڈیز نے پہلے کھیلتے ہوئے ۲۹۳ رنز بنائے اور اس کے چھ کھلاڑی آؤٹ ہوئے۔ جواب میں پاکستان کی پوری ٹیم ۲۵۰ رنز پر آؤٹ ہو گئی۔ ایک موقع پر ظہیر عباس اور ماجد خان کی پارٹنر شپ نے ویسٹ انڈیز کے لئے خطرہ پیدا کر دیا تھا لیکن ان دونوں کے آؤٹ ہونے سے میچ ہاتھ سے نکل گیا۔

دوسرا سیمی فائنل انگلستان اور نیوزی لینڈ کے درمیان ہوا جو انگلستان نے ۹ رنز سے جیت لیا۔ سکور انگلینڈ ۲۲۱ رنز آٹھ کھلاڑی آؤٹ' نیوزی لینڈ ۲۱۲ رنز نو کھلاڑی آؤٹ۔

فائنل لارڈ کے میدان میں کھیلا گیا۔ ویسٹ انڈیز نے پہلے کھیلتے ہوئے ۲۸۶ رنز بنائے اور اس کے چھ کھلاڑی آؤٹ ہوئے۔ جواب میں انگلینڈ کی ٹیم ۱۹۴ رنز پر آل آؤٹ ہو گئی۔ اس طرح ویسٹ انڈیز نے ۹۲ رنز سے یہ میچ جیت لیا۔

۱۹۸۳ء کا عالمی کپ

۱۹۸۳ء کا عالمی کپ بھی انگلستان میں ہوا۔ یہ غیر متوقع طور پر انڈیا نے جیت لیا۔ اس ٹورنامنٹ میں ایک موقع پر انڈیا زمبابوے سے ہار چلا تھا۔ اس کے پانچ کھلاڑی ۱۵ کے سکور پر آؤٹ ہو چکے تھے۔ اس موقع پر کپل دیو نے ۱۷۵ رنز ناٹ آؤٹ کا تاریخی انفرادی سکور کر کے انڈیا کو فتح دلائی۔

سیمی فائنل میں انڈیا' انگلستان' پاکستان اور ویسٹ انڈیز کی ٹیمیں پہنچیں۔ پہلے سیمی فائنل میں انڈیا نے انگلستان کو چھ وکٹوں سے ہرایا۔ سکور یہ رہا۔ انگلستان ۲۱۳ رنز آل آؤٹ' انڈیا ۲۱۷ رنز چار کھلاڑی آؤٹ۔ دوسرے سیمی فائنل میں ویسٹ انڈیز نے پاکستان کو آٹھ وکٹوں سے ہرایا۔ سکور یہ رہا۔ پاکستان ۱۸۴ رنز پر آٹھ کھلاڑی آؤٹ۔ ویسٹ انڈیز ۱۸۸ رنز پر دو کھلاڑی آؤٹ۔

فائنل پھر سے لارڈز کے میدان میں ہوا۔ انڈیا کی ٹیم ۱۸۳ کے سکور پر آؤٹ ہو گئی۔ ویسٹ انڈیز کے لئے یہ ایک آسان ٹارگٹ تھا۔ خیال تھا کہ ویسٹ انڈیز تیسری مرتبہ یہ عالمی کپ جیت کر ہیٹرک کرے گا لیکن ویسٹ انڈیز کی پوری ٹیم صرف ۱۴۰ کے سکور پر آؤٹ ہو گئی۔ اس طرح انڈیا نے یہ فائنل ۴۳ رنز سے جیت لیا۔

۱۹۸۷ء کا عالمی کپ

۱۹۸۷ء کا عالمی کپ انڈیا اور پاکستان میں ہوا۔ یہ آسٹریلیا نے جیتا۔

اس کے سیمی فائنلز پاکستان بمقابلہ آسٹریلیا اور انگلستان بمقابلہ انڈیا ہوئے۔

پہلے سیمی فائنل کا سکور آسٹریلیا ۲۶۷/۸ کے جواب میں پاکستان ۲۴۹ رنز پر آل آؤٹ ہوا۔ اس طرح آسٹریلیا ۱۸ رنز سے جیت گیا۔

دوسرے سیمی فائنل کا سکور انگلستان ۲۵۴/۶۔ جواب میں انڈیا ۲۱۹ آل آؤٹ۔ اس طرح انگلستان ۳۵ رنز سے جیتا۔

فائنل کلکتہ (انڈیا) میں کھیلا گیا۔ آسٹریلیا ۲۵۳/۵۔ جواب میں انگلستان ۲۴۶/۸ اوور ختم ہو گئے اسطرح یہ میچ ۷ رنز سے آسٹریلیا نے جیت لیا۔

۱۹۹۲ء کا عالمی کپ

آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں مشترکہ طور پر ہوا جو پاکستان

نے عمران خان کی قیادت میں جیتا۔ یہ پاکستان کے لئے بڑا کارنامہ تھا۔ اس ٹورنامنٹ میں پاکستان کا ایک موقع پر صرف ایک پوائنٹ تھا اور کوئی توقع نہیں تھی کہ پاکستان سیمی فائنل میں آئے گا لیکن اچانک (کرکٹ جیسا کہ اپنے غیر یقینی نتائج کی وجہ سے مقبول ہے) پاکستان کے سیمی فائنل میں پہنچنے کے امکانات پیدا ہوگئے۔ نیوزی لینڈ کی ٹیم واحد ٹیم تھی جو مسلسل جیت رہی تھی۔ وہ پاکستان سے پہلے لیگ میچ میں ہاری اور پھر سیمی فائنل میں بھی پاکستان سے شکست کھائی۔

پہلے سیمی فائنل کا سکور نیوزی لینڈ ۲۶۲/۷ کے جواب میں پاکستان نے ۲۶۴/۶ سکور کیا اور چار وکٹوں سے یہ میچ جیت لیا۔

دوسرا سیمی فائنل انگلستان بمقابلہ جنوبی افریقہ ہوا۔ سکور انگلستان ۲۵۲/۶ اور جنوبی افریقہ ۲۳۲/۶ رہا۔ اس طرح انگلستان ۲۰ رنز سے جیت گیا۔

فائنل پاکستان اور انگلستان کے درمیان ملبورن کرکٹ گراؤنڈ میں ہوا جو پاکستان نے ۲۲ رنز سے جیت لیا۔ پاکستان نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے ۲۴۹ رنز بنائے اور اس کے چھ کھلاڑی آؤٹ ہوئے۔ جواب میں انگلستان ۲۲۷ رنز پر آل آؤٹ ہوگیا۔ اس فائنل میں پاکستانی ٹیم نے بہترین ٹیم ورک کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر وسیم اکرم کے دو تاریخی بال تھے جن پر انگلستان کے بہترین کھلاڑی لیمب اور لوئس کلین بولڈ ہوئے۔

۱۹۹۶ء کا عالمی کپ

The Wills World Cup۔ یہ انڈیا، پاکستان اور سری لنکا میں کھیلا گیا۔ یہ ٹورنامنٹ سری لنکا نے نہایت شاندار طریقہ سے جیت لیا۔ عالمی کپ شروع ہونے سے پہلے ہی اس ٹیم کے جیتنے کی پیشگوئیاں کی جارہی تھیں۔ سری لنکا کی ٹیم نے آسٹریلیا کی مضبوط ٹیم کو فائنل میں شکست دی۔

سیمی فائنل کلکتہ میں سری لنکا اور انڈیا کے درمیان ہوا جس میں سری لنکا نے ۲۵۱ رنز بنائے اور اس کے آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہوئے۔ جواب میں انڈیا نے آٹھ وکٹوں کے نقصان پر ۱۲۰ رنز بنائے۔ اس موقع پر کلکتہ کے تماشائیوں نے ہنگامہ کھڑا کردیا اور سٹیڈیم میں آگ لگادی۔ جس کی وجہ سے میچ نہ ہوسکا اور قوانین کے مطابق جیوری نے سری لنکا کو فاتح قرار دے دیا۔

دوسرا سیمی فائنل آسٹریلیا اور ویسٹ انڈیز کے درمیان ہوا۔ آسٹریلیا نے پہلے کھیلتے ہوئے ۲۰۷ رنز بنائے اور اس کے آٹھ کھلاڑی آؤٹ ہوئے۔ جواب میں ویسٹ انڈیز کی ٹیم ۲۰۲ رنز پر آل آؤٹ ہوگئی۔ اس طرح آسٹریلیا نے ۵ رنز سے یہ سیمی فائنل جیت لیا۔

فائنل میچ قذافی سٹیڈیم لاہور میں آسٹریلیا اور سری لنکا کے درمیان ہوا جو سری لنکا نے کھیل کے ہر شعبہ میں آسٹریلیا کو مات دے کر سات وکٹوں سے جیت لیا۔ سکور یہ رہا۔ آسٹریلیا ۲۴۱ رنز سات کھلاڑی آؤٹ۔ سری لنکا ۲۴۵ رنز تین کھلاڑی آؤٹ۔

ون ڈے عالمی کپ کرکٹ نے کرکٹ کھیل میں انقلاب پیدا کردیا ہے۔ اس کی دلچسپی اور سنسنی خیزی میں بہت زیادہ اضافہ کردیا ہے۔ سٹیڈیم تماشائیوں سے بھرے ہوتے ہیں اور ٹیلی ویژن پر دیکھنے والوں کا شوق بھی دیکھنے والا ہوتا ہے۔

دلچسپ ریکارڈ

اب ہم تمام عالمی کپ ٹورنامنٹ کے دلچسپ اور غیر معمولی ریکارڈز کا جائزہ لیتے ہیں۔

- عالمی کپ میں زیادہ سے زیادہ مجموعی سکور جو بنا وہ ۳۹۸ رنز پانچ کھلاڑی آؤٹ ہے۔ یہ سری لنکا نے کینیا کے خلاف ۱۹۹۶ء میں بنایا۔
- دوسرا بڑا سکور ۳۶۰ رنز چار کھلاڑی آؤٹ ہے جو ویسٹ انڈیز نے سری لنکا کے خلاف کراچی میں ۱۹۸۷ء کے عالمی کپ میں کیا۔

○ تیسرا بڑا سکور ۳۳۸ رنز پانچ کھلاڑی آؤٹ ہے جو پاکستان نے سری لنکا کے خلاف ۱۹۸۳ء میں بنایا۔

○ عالمی کپ کا زیادہ سے زیادہ انفرادی سکور ۱۸۸ رنز ناٹ آؤٹ ہے جو جنوبی افریقہ کے گیری کرسٹن نے ۱۹۹۶ء میں امارات کے خلاف راولپنڈی میں بنایا۔

دوسرے نمبر پر ویسٹ انڈیز کے ویوین رچرڈز ہیں جنہوں نے سری لنکا کے خلاف ۱۹۸۷ء میں ۱۸۱ رنز بنائے۔

تیسرا بڑا سکور کرنے والے کپل دیو ہیں جنہوں نے زمبابوے کے خلاف ۱۹۸۳ء میں ۱۷۵ رنز ناٹ آؤٹ بنائے۔

○ عالمی کپ میں زیادہ سے زیادہ مجموعی سکور کرنے کا ریکارڈ پاکستان کے جاوید میانداد کے پاس ہے جنہوں نے ۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۶ء تک کل ۳۳ میچ کھیلے اور پانچ دفعہ ناٹ آؤٹ رہے اور کل ۱۰۸۳ رنز بنائے۔ زیادہ سے زیادہ سکور ۱۰۳ رہا اور اوسط ۴۳.۳۲ رہی۔ دوسرے نمبر پر ویسٹ انڈیز کے ویوین رچرڈز ہیں جنہوں نے ۲۳ میچوں میں ۱۰۱۳ رنز بنائے۔ زیادہ سے زیادہ سکور ۱۸۱ ہے اور اوسط ۶۳.۳۱ رہی۔

تیسرے نمبر پر انگلستان کے گراہم گوچ آتے ہیں جنہوں نے ۲۱ میچوں میں ۸۹۷ رنز بنائے۔ زیادہ سے زیادہ سکور ان کا ۱۱۵ رہا اور اوسط ۴۴.۸۵ ہے۔

○ عالمی کپ میں سب سے زیادہ اوسط جنوبی افریقہ کے کرسٹن کی ہے یعنی ۸۷.۲۔

○ عالمی کپ میں مجموعی طور پر زیادہ وکٹیں حاصل کرنے کا اعزاز پاکستان کے عمران خان کو حاصل ہے جنہوں نے ۲۸ میچوں میں ۱۶۹.۳ اوور کروائے جن میں سے ۱۸ میڈن رہے اور ۸۸۵ رنز دے کر کل ۳۴ وکٹیں حاصل کیں۔ بہترین باؤلنگ ۳۷ رنز دے کر چار کھلاڑی آؤٹ کیے۔

دوسرے نمبر پر انگلستان کے بوتھم رہے جنہوں نے ۲۲ میچوں میں ۲۲۲ اوورز کروائے جن میں سے ۳۳ میڈن رہے اور ۷۶۲ رنز دے کر ۳۰ وکٹیں حاصل کیں۔ بہترین باؤلنگ ۳۱ رنز دے کر چار کھلاڑی آؤٹ کیے۔

تیسرے نمبر پر انگلستان کے ڈیفریٹس ہیں جنہوں نے ۲۲ میچوں میں ۱۸۷.۵ اوورز کروائے جن میں سے ۳۰ میڈن رہے اور ۷۴۶ رنز دے کر ۲۹ وکٹیں حاصل کیں۔ بہترین باؤلنگ ۲۸ رنز دے کر تین کھلاڑی آؤٹ کیے۔

انفرادی طور پر ریکارڈ کارکردگی W.DAVIS کی رہی۔ انہوں نے ۱۹۸۳ء کے کپ میں ۱۰.۳ اوورز کروائے۔ ۵۱ رنز دے کر سات وکٹیں حاصل کیں۔ یہ میچ ویسٹ انڈیز اور آسٹریلیا کے درمیان ۱۹۸۳ء میں کھیلا گیا۔

دوسرے نمبر پر G. GILMOUR رہے۔ آسٹریلیا اور انگلستان کے درمیان میچ میں انہوں ۱۲ اوورز میں ۱۴ رنز دے کر چھ وکٹیں حاصل کیں۔

تیسرے نمبر پر K.H MACLEAY رہے۔ ۱۹۸۳ء میں آسٹریلیا اور انڈیا کے درمیان میچ میں انہوں نے ۱۱.۵ اوورز کروائے اور ۳۹ رنز دے کر چھ وکٹیں حاصل کیں۔

۱۹۹۹ء کا عالمی کپ

اب جائزہ لیتے ہیں ۱۹۹۹ء کے عالمی کپ کا جو ۱۴ مئی ۱۹۹۹ء بروز جمعرات انگلستان میں شروع ہو رہا ہے۔ افتتاحی میچ سری لنکا اور انگلستان کے درمیان ۱۴ مئی کو لارڈز کے میدان میں کھیلا جائے گا۔

اس ٹورنامنٹ میں سیمی فائنلز اور فائنل ملا کر کل ۴۴ میچ کھیلے جائیں گے۔ اس میں پاکستان، انڈیا، سری لنکا، ویسٹ انڈیز، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جنوبی افریقہ، زمبابوے، بنگلہ دیش، کینیا، سکاٹ لینڈ کل ۱۲ ٹیمیں حصہ لیں گی۔

اس میں دو گروپ بنائے جائیں گے اے اور بی۔ پہلے راؤنڈ میں کل ۳۲ میچ کھیلے جائیں گے۔ یہ راؤنڈ لیگ سسٹم کے تحت ہوگا۔ اس میں سے چھ سپر ٹیمیں نکالی جائیں گی۔ پھر ان کے آپس میں میچ ہوں گے۔ یہ کل نو میچ ہوں گے۔ اس کے بعد سیمی

فائنلز کے لئے چار ٹیمیں نکلیں گی۔

پاکستان کی ٹیم کافی عرصہ کے بعد پھر سے نئے جذبے کے ساتھ میدان میں اتر رہی ہے۔ ۱۹۹۲ء والی ٹیم سپرٹ پھر سے دکھائی دے رہی۔ اگر پاکستان کے کھلاڑیوں نے اسی طرح ذمہ داری کے ساتھ متحد ہو کر ڈسپلن کے ساتھ اس عالمی کپ میں حصہ لیا تو ۱۹۹۲ء والی تاریخ وسیم اکرم کی قیادت میں پھر دہرائی جائے گی۔ ایک بات توجہ کے لائق ہے کہ اگر شروع کے ایک دو کھلاڑی آؤٹ ہو جائیں تو مڈل آرڈر کھلاڑیوں کو میچ سنبھال لینا چاہئے اور ٹیم کا رن ریٹ اور مورال گرنا نہیں چاہئے۔ آج کل پاکستان کی ٹیم اسی طرح کھیل رہی ہے۔

فیلڈنگ کے شعبہ میں اور زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ ایک ایک سکور بچانا ون ڈے میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کوئی ایک کیچ بھی میچ جتا سکتا ہے اور ہروا بھی سکتا ہے۔

دوسری طرف جنوبی افریقہ، سری لنکا، آسٹریلیا اور انڈیا کی ٹیمیں بھی بہت کچھ کرنے کی صلاحیتیں رکھتی ہیں۔ ویسٹ انڈیز کی ٹیم آج کل ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے لیکن اگر یہ ٹیم متحد ہو جائے تو پھر اس کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔

موجودہ صورت حال اور کارکردگی کے لحاظ سے درج ذیل ٹیمیں سیمی فائنل کے لئے فیورٹ ہو سکتی ہیں۔ پاکستان، جنوبی افریقہ، سری لنکا، آسٹریلیا۔

بھارت اور انگلینڈ کے برابر چانسز ہیں۔

میں اور احمدی جماعت

"میں ایک بار پھر نہایت صداقت کے ساتھ یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میں تو ان کی عملی زندگی کا یقیناً مداح ہوں۔ اور اگر میں بانی احمدیت کی تعریف کرتا ہوں تو اس لئے کہ وہ مسلمانوں کو صحیح راستہ پر کھینچ لائے جس کی نظیر [illegible] کی کسی دوسری جماعت میں نہیں ملتی۔"

(نیاز فتح پوری)

Match Schedule

Date	Match	Venue
Fri 14, May 1999	England v Sri Lanka	Lords
Sat 15, May 1999.	India v South Africa	Hove
	Zimbabwe v Kenya	Taunton
Sun 16, May 1999	Australia v Scotland	Worcester
	West Indies v Pakistan	Bristol
Mon 17, May 1999.	New Zealand v Bangladesh	Chelmsford
Tue 18, May 1999.	England v Kenya	Canterbury
Wed 19, May 1999.	Sri Lanka v South Africa	Northampton
	India v Zimbabwe	Leicester
Thu 20, May 1999.	Australia v New Zealand	Cardiff
	Pakistan v Scotland	Chester-Le-Street
Fri 21, May 1999.	West Indies v Bangladesh	Dublin
Sat 22, May 1999.	England v South Africa	The Oval
	Zimbabwe v Sri Lanka	Worcester
Sun 23, May 1999.	Kenya v India	Bristol
	Australia v Pakistan	Headingley
Mon 24, May 1999.	West Indies v New Zealand	Southampton
	Scotland v Bangladesh	Edinburgh
Tue 25, May 1999.	England v Zimbabwe	Trent Bridge
Wed 26, May 1999.	Sri Lanka v India	Taunton
	South Africa v Kenya	Amsterdam
Thu 27, May 1999.	West Indies v Scotland	Leicester
	Australia v Bangladesh	Chester-Le-Street
Fri 28, May 1999.	New Zealand v Pakistan	Derby
Sat 29, May 1999.	England v India	Edgbaston
	Zimbabwe v South Africa	Chelmsford
Sun 30, May 1999.	Sri Lanka v Kenya	Southampton
	West Indies v Australia	Old Trafford
Mon 31 May 1999.	Scotland v New Zealand	Edinburgh
	Pakistan v Bangladesh	Northampton

Super Six

Fri 04, June 1999.	Group A 2nd v Group B 2nd	The Oval
Sat 05, June 1999.	Group A 1st v Group B 1st	Trent Bridge
Sun 06, June 1999.	Group A 3rd v Group B 3rd	Headingley
Tue 08, June 1999.	Group A 2nd v Group B 1st	Old Trafford
Wed 09, June 1999.	Group A 3rd v Group B 2nd	Lord's
Thu 10, June 1999.	Group A 1st v Group B 3rd	Edgbaston
Fri 11, June 1999.	Group A 3rd v Group B 1st	The Oval
Sat 12, June 1999.	Group A 2nd v Group B 3rd	Trent Bridge
Sun 13, June 1999.	Group A 1st v Group B 2nd	Headingley

Semi-final
Wednesday 16, June 1999.
Team 1 V Team 4
Old Trafford

Semi-final
Thursday 17, June 1999.
Team 2 V Team 3
Edgbaston

The Final

Sunday 20, June 1999
Final
Lord's

پانچویں آل پاکستان سالانہ صنعتی نمائش 1999ء

منعقدہ 23-24-25 مارچ 1999ء

ہزاروں شائقین نے تین دن تک صنعتی نمائش کو بہت ذوق و شوق سے دیکھا اور لطف اندوز ہوئے

(مرتبہ: فخر الحق صاحب شمس ناظم اشاعت صنعتی نمائش)

> سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے شعبہ صنعت و تجارت کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:۔
>
> "ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر آنا چاہئے۔ پڑھنا لکھنا غیر طبعی چیز ہے اور ہنر ایک طبعی چیز ہے جو ہر جگہ کام آسکتی ہے......
>
> پیشہ ور ہر جگہ اپنے گزارے کی صورت پیدا کر لیتا ہے اور لوگ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں......"

خدا تعالیٰ کے فضل سے مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے تحت منعقد ہونے والی پانچویں آل پاکستان سالانہ صنعتی نمائش تین دن جاری رہنے کے بعد 25 مارچ 1999ء کو کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوگئی۔ اس کامیاب نمائش میں 31 اضلاع کے 139 خدام نے شرکت کی اور کُل 850 اشیاء نمائش میں رکھی گئیں۔ جب کہ گزشتہ سال 26 اضلاع کے 119 خدام نے شرکت کی تھی اور کل 690 اشیاء نمائش میں موجود تھیں۔

درجہ ذیل سات شعبوں کے تحت صنعتی نمائش منعقد کی گئی۔

1- کمپیوٹرز (Computers)

2- الیکٹرونکس (Electronics)

3- ماڈلز (Models)

4- ہینڈی کرافٹس (Handicrafts)

5- پینٹنگز اور کیلی گرافی (Paintings & Calligraphy)

6- فوٹوگرافی (Photography)

7- متفرق (Miscellaneous)

خدا تعالیٰ کے فضل سے امسال 23 مارچ یوم پاکستان کی مناسبت سے پانچویں سالانہ صنعتی نمائش کے شعبہ جات اور ان کے ناظمین تجویز کر کے محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان سے ان کی منظوری لی گئی۔ یہ انتظامیہ درج ذیل ہے۔

عہدہ	نام
ناظم اعلیٰ:	مکرم نصیر احمد انجم صاحب
نائب ناظم اعلیٰ:	مکرم انتصار احمد صاحب نذر
ناظم نمائش گاہ:	مکرم سلیم الدین صاحب
ایڈیشنل ناظم نمائش گاہ:	مکرم مجد الدین صاحب مجد
ناظم تربیت و رہائش:	مکرم امین الرحمن صاحب
ایڈیشنل ناظم تربیت و رہائش:	مکرم راجہ رفیق احمد صاحب
ناظم انعامات:	مکرم سید مبشر احمد صاحب ایاز
ناظم استقبال والوداع:	مکرم مرزا فضل احمد صاحب
ناظم رابطہ:	مکرم حافظ عبد الاعلیٰ صاحب
ناظم آب رسانی و صفائی:	مکرم مسعود احمد صاحب سلیمان
ناظم مہمان نوازی:	مکرم شبیر احمد صاحب ثاقب
ناظم خوراک:	مکرم ظفر اللہ خان صاحب طاہر

ناظم رجسٹریشن : مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب

ناظم روشنی : مکرم خلیل احمد صاحب تنویر

ناظم اسٹیج واشاعت : مکرم فخر الحق صاحب شمس

ناظم حاضری ونگرانی : مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر

ناظم طبی امداد : مکرم ڈاکٹر عبد اللہ پاشا صاحب

ناظم نظم وضبط : مکرم قمر احمد صاحب کوثر

ناظم سٹال وریفریشمنٹ : مکرم راجہ رشید احمد صاحب

ناظم سائیکل سٹینڈ : مکرم حافظ حفیظ الرحمٰن صاحب

معائنہ ٹیم : مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف

مکرم عبد السمیع خان صاحب

مکرم ڈاکٹر سمیع الاحمد صاحب گوندل

کام کا آغاز

جملہ انتظامیہ نے نمائش کے انعقاد کے سلسلہ میں بہت خدمت اور تعاون کیا۔ سب سے پہلے تمام ناظمین نے اپنے اپنے شعبہ جات کی سکیمیں مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان کے سامنے پیش کیں۔ جن کو تفصیلی گفتگو اور ضروری ترمیم کے بعد منظور کیا گیا۔ ان منظور شدہ سکیموں کی ضرورت کے مطابق بجٹ تیار کیا گیا۔ جسے محاسبہ کمیٹی میں رکھا گیا۔ بعد ازاں محاسبہ کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں یہ بجٹ مجلس عاملہ نے منظور کیا۔ سکیموں اور بجٹ کی منظوری کے ساتھ ہی صنعتی نمائش کے جملہ شعبوں نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا۔ انتظامیہ نے میٹنگز کر کے انتظامات کو بہتر بنانے کے بارہ میں بہت سی تجاویز زیر غور لا کر ضروری اقدامات کئے۔

انتظامیہ کی کارگزاری مکرم ناظم صاحب اعلیٰ مرکزی عاملہ کے اجلاس میں پیش کرتے رہے۔ اس طرح جملہ اراکین عاملہ اور خاص طور پر محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے قیمتی مشوروں سے انتظامیہ مستفید ہوتی رہی۔

رابطہ

صنعتی نمائش کے سلسلہ میں قائدین اضلاع وعلاقہ سے دوماہ قبل ہی رابطہ شروع کر دیا گیا تھا۔ ضروری ہدایات پر مبنی سرکلرز اضلاع اور علاقہ جات کو بھجوائے گئے۔ ان کے علاوہ متعدد خطوط بھی لکھے گئے اور رابطہ کے لئے دیگر ذرائع بھی استعمال کئے گئے۔

افتتاحی تقریب

پانچویں سالانہ آل پاکستان صنعتی نمائش کی افتتاحی تقریب 23 مارچ 1999ء کو صبح آٹھ بجے ایوان محمود ہال سے متصل کھلے مسقف حصہ میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی مکرم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب تھے۔ تلاوت، عہد اور نظم کے بعد مکرم ناظم صاحب اعلیٰ صنعتی نمائش نے رپورٹ پیش کی، جس میں شعبہ صنعت و تجارت کی اہمیت، صنعتی نمائش کے پس منظر و اہمیت اور انتظامات کے بارے میں بتایا گیا۔ مکرم ناظم صاحب اعلیٰ نے مہمان شرکاء کو خوش آمدید کہا اور مہمان خصوصی کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد مہمان خصوصی محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نے اپنے افتتاحی کلمات میں مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی کارکردگی کو سراہا اور ان کے لئے کامیابی کی دعا کی۔ آخر پر آپ نے نمائش کے کامیاب انعقاد کے لئے اجتماعی دعا کروائی۔ دعا کے بعد مہمان خصوصی نمائش گاہ تشریف لے گئے اور دیگر مہمانوں کے ہمراہ خوبصورتی سے سجائی گئی نمائش ملاحظہ کی۔ بعد ازاں جملہ مہمانوں کی چائے سے تواضع کی گئی۔

رجسٹریشن

دفتر رجسٹریشن ایوان محمود میں ہی قائم کیا گیا تھا۔ پاکستان کے دور و نزدیک کے اضلاع سے شرکت کرنے والے خدام سے رجسٹریشن فارم مکمل کروا کے رجسٹریشن ٹکٹ جاری کیا گیا۔ جو اضلاع امسال صنعتی نمائش میں شامل ہوئے ان کے اسماء یہ ہیں۔

پشاور، راولپنڈی، اسلام آباد، اٹک، چکوال، جہلم، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، نارووال، حافظ آباد، لاہور، شیخوپورہ، اوکاڑہ، فیصل آباد، جھنگ، سرگودھا، خوشاب، منڈی بہاؤلدین، ملتان، ڈیرہ غازی خان، راجن پور بہاولنگر، لودھراں، حیدر آباد، عمر کوٹ، سانگھڑ، نواب شاہ، خیر پور، کراچی، کوئٹہ اور ربوہ

رہائش و تربیت

تمام بیرونی خدام کے لئے رہائش کا انتظام ایوان محمود میں ہی کیا گیا تھا۔ دوران نمائش باقاعدہ نماز باجماعت کا انتظام کیا گیا۔ نماز فجر کے بعد درس بھی ہوتا رہا۔

نمائش گاہ

ایوان محمود کے وسیع ہال کو نمائش گاہ بنایا گیا تھا۔ ہال کو جھنڈیوں، رنگین کپڑوں اور روشنیوں سے سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر چارٹس آویزاں کئے گئے تھے۔ میزوں پر سفید چادریں بچھا کر ہر ضلع سے آنے والی اشیاء نفاست کے ساتھ شعبہ جات میں رکھی گئی تھیں۔ ان اشیاء میں دلچسپ معلومات سے بھرپور کمپیوٹر پروگرامنگ، الیکٹرونکس کی اشیاء، چارٹس، پینٹنگز، پنسل سکیچز، کیلی گرافی، تصاویر، ماڈلز اور ہنڈی کرافٹس وغیرہ شامل تھیں۔

نمائش میں داخلہ کیلئے ٹکٹ رکھا گیا تھا۔ تین دنوں میں ہزاروں مرد و زن نے نمائش دیکھی۔ خواتین کے لئے علیحدہ اوقات مقرر تھے۔ مہمانوں کے تاثرات اور تبصرہ کے لئے ایک Visi-tor`s Book بھی رکھی گئی تھی۔

طعام

مہمان شرکاء کے تین وقت کھانے کا انتظام ایوان محمود کے غربی لان میں رکھا گیا تھا۔ نمائش کے آخری دن اختتامی تقریب کے بعد مہمان شرکاء کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا۔

مہمان نوازی

تمام شرکاء اور خدام کی حسب ضرورت چائے سے تواضع کی جاتی رہی۔ جس کا انتظام سرائے خدمت (گیسٹ ہاؤس خدام الاحمدیہ) میں کیا گیا تھا۔

سٹال

سالانہ صنعتی نمائش کے لئے ایوان محمود کے احاطہ میں ایک سٹال بھی لگایا گیا۔ جس میں معیاری، صاف ستھری اور مناسب قیمتوں میں اشیاء خورد و نوش رکھی گئی تھیں۔ جن میں کباب، سموسے، کولڈ ڈرنکس، چاٹ اور آئس کریم وغیرہ شامل تھیں۔ شائقین و ناظرین ذوق و شوق سے یہاں آئے اور لطف اندوز ہوئے۔ خواتین اور بچوں نے بالخصوص دلچسپی لی اور سٹال سے بہت فائدہ اٹھایا۔

روشنی

رہائش گاہوں، نمائش گاہ، طعام گاہ اور ایوان محمود کے ماحول میں روشنی کا معقول انتظام کیا گیا تھا۔ بجلی بند ہونے کی صورت میں جنریٹر سے روشنی مہیا کی گئی۔

صفائی و آب رسانی

احاطہ ایوان محمود میں میٹھے پانی فراہمی کو ممکن بنایا گیا۔ روزانہ نمائش گاہ، ایوان محمود کا ماحول اور بیت الخلاء کی صفائی کا خصوصی انتظام کیا گیا۔ ایوان محمود میں پینے کے پانی کے ڈرم بھی رکھے گئے تھے۔

نظم و ضبط

22 تا 26 مارچ 1999ء ایوان محمود کے گیٹ پر خصوصی ڈیوٹی کا انتظام کیا گیا۔ اس موقع پر ماحول کی حفاظت کی ذمہ داری احسن رنگ میں سرانجام دی گئی۔

سمعی و بصری

شعبہ سمعی بصری نظارت اشاعت کے تعاون سے افتتاحی و اختتامی تقاریب کے علاوہ نمائش گاہ اور دیگر اہم مواقع کی ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی۔ شریک خدام سے ان کی بنائی ہوئی اشیاء کے بارے میں تفصیلی انٹرویوز بھی ریکارڈ کئے گئے۔ اس یادگار اور کامیاب نمائش کی کوریج کے لئے تصاویر بھی بنائی گئیں۔ شائقین میں سے بھی بعض کے انٹرویوز کئے گئے۔

شرکاء کے اعزاز میں عشائیہ

مورخہ 25 مارچ 1999ء شرکاء خدام کے اعزاز میں عشائیہ دیا گیا۔ اس میں محترم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد دعوت الی اللہ، بزرگان سلسلہ، محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اور مرکزی عاملہ کے ممبران و دیگر مدعوئین نے شرکت کی۔

اختتامی تقریب

پانچویں آل پاکستان سالانہ صنعتی نمائش کی اختتامی تقریب مورخہ 25 مارچ 1999ء رات 8 بجے ایوان محمود کے ہال میں منعقد کی گئی۔ کیونکہ یہ تقریب نمائش گاہ میں ہی منعقد کی گئی تھی اس لئے صنعتی نمائش کے ماحول میں یہ تقریب یادگار ثابت ہوئی اور کامیابی سے منعقد کی گئی۔ اختتامی تقریب میں شرکت کے لئے معززین کو بڑی تعداد میں دعوت نامے بھجوائے گئے تھے۔ تقریب کے مہمان خصوصی مکرم و محترم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد دعوت الی اللہ تھے۔

کارروائی کا باقاعدہ آغاز قرآن کریم سے ہوا۔ خدام کا عہد محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے دہرایا۔ اس کے بعد نظم پیش کی گئی۔ نظم کے بعد مکرم ناظم صاحب اعلیٰ نے رپورٹ پیش کی۔ بعد ازاں محترم مہمان خصوصی نے اعزاز پانے والے خدام میں انعامات تقسیم کئے۔ انعامات میں شیلڈز، کتب اور اسناد امتیاز دی گئیں۔ اس کے بعد محترم مہمان خصوصی نے اپنے مختصر خطاب میں شعبہ صنعت و تجارت اور صنعتی نمائش کے مستقل پر گہرے اثرات کے بارے میں روشنی ڈالی۔ خطاب کے بعد مہمان خصوصی نے اختتامی دعا کروائی اور یوں اس یادگار تقریب کا اختتام ہوا۔

تاثرات

☆ محترم چودھری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید:۔

"گزشتہ سال سے ماشاء اللہ بہتر ہے۔ پرانے سکوں اور Stamps کا سیکشن پسند آیا۔ منتظمین کی خدمت میں مبارکباد۔"

☆ محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب:۔

"اس کاوش پر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان مبارکباد کی مستحق ہے۔ خدا تعالیٰ ان کی مساعی میں برکت ڈالے اور مزید ترقیوں سے نوازے۔"

☆ محترم کرنل ڈاکٹر عبد الخالق صاحب ایڈمنسٹریٹر فضل عمر ہسپتال ربوہ:۔

"اللہ تعالیٰ بہت ترقی دے۔ ہر سال نئی نئی آئیٹم ہو رہی ہے۔"

☆ محترم چودھری محمد صدیق صاحب سابق لائبریرین خلافت لائبریری ربوہ:۔

"حضرت مصلح موعود بانی مجلس خدام الاحمدیہ کے ارشادات کی تعمیل میں خدام نے اشیاء تیار کر کے اپنی فنی مہارت کا اظہار کیا ہے۔"

☆ محترم مولانا عبد السلام صاحب طاہر استاد جامعہ احمدیہ:۔

"گزشتہ سال بھی نمائش دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ امسال دیکھنے سے خوشی ہوئی کہ سال بہ سال نمائش احسن سے احسن رنگ اختیار کر رہی ہے۔"

☆ محترم عبد السمیع صاحب ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ:۔

"انحصار ہے ترقی کی جانب قدم ہمیش۔ اللہ تعالیٰ اس میدان میں بھی مسابقت کی توفیق عطا فرمائے۔"

چند اہم امور

☆ آغاز سے ایک دن پہلے صدقہ دیا گیا۔

☆ ہر شریک خادم کو سند شرکت دی گئی۔

☆ ہر شریک خادم کو ہدایت نامہ جاری کیا گیا۔

☆ ہر شریک خادم سے ایک کوائف فارم پُر کروایا گیا۔

☆ جن اضلاع سے نمائندگی نہیں ہوئی تھی۔ آئندہ سال انہیں عزم وہمت سے کام کرنے کی تحریک کی گئی۔

☆ جن قائدین اضلاع نے نمائندگی کروائی انہیں بھی شکریے کے خطوط لکھے گئے۔

اعزاز پانے والے خدام اور ان کے نتائج

مندرجہ ذیل خدام نے مختلف شعبہ جات میں پوزیشنز حاصل کیں۔ بغرض ریکارڈ و دعا ان کے نام پیش ہیں۔

شعبہ کمپیوٹرز

اول : مکرم محمود احمد صاحب قریشی کراچی (CNC مشین)

دوم : مکرم ہدایت اللہ صاحب احسن ربوہ

(ربوہ ٹیلیفون ڈائریکٹری کا پروگرام، کمپیوٹر سافٹ ویئر)

سوم : مکرم عامر محمود کراچی

(انٹرنیٹ کا ایک ویب پیج ڈیزائن کیا)

حوصلہ افزائی : مکرم نعیم احمد صاحب صابر ربوہ

(گرافکس ڈسپلے، کمپیوٹر آرٹ، ویب پیج ڈیزائن)

شعبہ الیکٹرونکس

اول : مکرم محمود احمد صاحب قریشی کراچی (آٹو کٹ)

دوم : مکرم منصور احمد صاحب گورایہ لاہور (ریموٹ کنٹرول پردہ)

سوم : مکرم احمد رضوان صاحب حافظ آباد (لفٹ)

حوصلہ افزائی : مکرم انعام الٰہی صاحب راولپنڈی

(الیکٹرونکس بلب اور الیکٹرونک موٹر)

شعبہ ماڈلز

اول : مکرم لطف الرحیم صاحب طاہر حیدر آباد

(سیمنٹ فیکٹری)

دوم : مکرم مرزا رضوان احمد صاحب لاہور

(چرخہ سے لوم تک کا سفر)

سوم : مکرم عامر ایوب حسین بٹ صاحب سانگھڑ

(سندھی بیل گاڑی)

حوصلہ افزائی : مکرم فاروق احمد صاحب نارووال (تنکوں کا گھر)

مکرم ظہیر احمد صاحب فیصل آباد

(ماڈل "بیت" الفضل لندن)

شعبہ ہینڈی کرافٹس

اول : مکرم امتیاز احمد صاحب خوشاب (تلے کا کام)

دوم : مکرم عبد الباسط صاحب نواب شاہ

(مزین کشتیاں اور بال پوائنٹ)

سوم : مکرم اشتیاق احمد صاحب سرگودھا

(لکڑی کے مختلف کام)

حوصلہ افزائی : مکرم محمود احمد صاحب خیر پور (تنبورا)

شعبہ فوٹو گرافی

اول : مکرم سیف الاسلام صاحب طاہر کراچی

(گلہری کی تین تصاویر)

دوم : مکرم شیراز ہارون صاحب کراچی

(دوران کھیل کبڈی کا ایک منظر)

حوصلہ افزائی : مکرم اسد سعید صاحب کراچی (پھولوں کی تصاویر)

مکرم نعیم احمد صاحب طاہر حافظ آباد
(شمالی علاقہ جات کے مناظر)

شعبہ پینٹنگز و کیلی گرافی

اول: مکرم عامر پاشا صاحب کراچی (پینٹنگز)
دوم: مکرم زاہد محمود صاحب لاہور (کلمہ طیبہ کی کیلی گرافی)
سوم: مکرم احسن ناصر صاحب اسلام آباد (گلاس پینٹنگز)
حوصلہ افزائی: مکرم عرفان احمد صاحب حیدر آباد
(ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی پینٹنگ)
مکرم فضل اللہ خان تیمور صاحب چکوال
(خطاطی و پینٹنگز)

شعبہ متفرق

اول: مکریم سید نادر سیدین صاحب اسلام آباد
(پرانی دستاویزات، سکے، بیجز، کرنسی نوٹ اور ڈاک ٹکٹوں کی مختلف (Collections)
دوم: مکرم اشتیاق احمد صاحب سرگودھا (Puppet)
سوم: مکرم عرفان احمد صاحب شہزاد فیصل آباد (ایکیوریم)
حوصلہ افزائی: مکرم عبد الرحمٰن صاحب ربوہ (دائمی کیلنڈر)

خصوصی شیلڈز

خصوصی شیلڈز کا انعام اس ضلع کو دیا گیا جنہوں نے نمائش کے تمام شعبوں میں معیاری اور سب سے زیادہ اشیاء کے ساتھ شرکت کی ہو۔ اس اعتبار سے ضلع لاہور اس انعام کا حق دار قرار پایا۔

محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی طرف سے نمائش کے انتظام کی احسن انجام دہی پر مکرم نصیر احمد صاحب انجم ناظم اعلیٰ صنعتی نمائش کو بھی ایک خصوصی شیلڈ پیش کی گئی۔

بقیہ از صفحہ 28

زندگی زیادہ رنگین ہوتی ہے تو دراصل وہ رنگ بہت ہی عارضی ثابت ہوتے ہیں اور ان رنگوں کے نیچے ایسے داغ بن جایا کرتے ہیں جو روحوں اور دلوں کو مسخ کر جاتے ہیں۔ تو ایسی رنگینی کا کیا کرنا جو روح کو مسخ کر جائے، داغدار کر جائے۔

مجھے یہ بھی خیال آرہا ہے کہ اللہ کے فضل سے ہمارے احمدی نوجوان تو یہ بھی محسوس کریں گے کہ خوانخواہ بات کو بڑھا دیا ہے بھلا ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ ہم نمازوں سے غافل ہو جائیں یا دیگر فرائض سے غافل ہو جائیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ بس یہ تو ایک یاددہانی تھی۔ ایک قبل از وقت یاددہانی تھی۔ ایک راہنمائی تھی۔ ایک مشورہ تھا۔ نیک مشورہ۔ بھلائی کی بات۔

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

خدا ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ ہمیں اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

قیادت مجلس خدام الاحمدیہ لودھراں

تمام احبابِ جماعت کو نیک تمناؤں کا

پیغام دیتی ہے۔

فضل خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گذرے

منجاب :- قیادت ضلع لودھراں
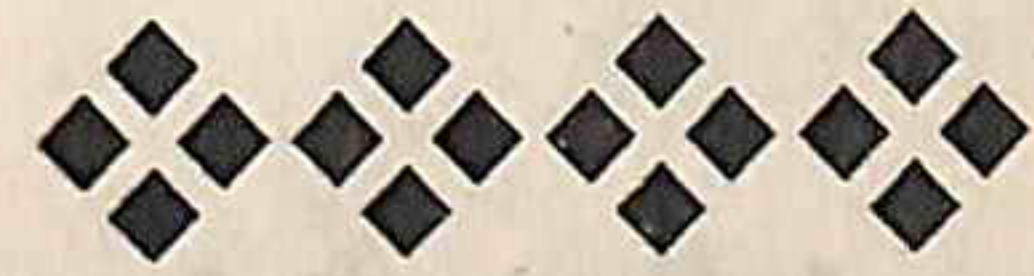
❖❖❖❖❖

تمام احباب جماعت کو نیک تمناؤں کا پیغام دیتے ہیں۔

فضل خدا کا سایہ ہم پر رہے ہمیشہ
ہر دن چڑھے مبارک ہر شب بخیر گذرے

منجانب :- ڈاکٹر عارف رفیق (M.B.B.S - R.M.P)
کنری ضلع عمر کوٹ سندھ

مصور احمد اینڈ برادرز

رٹیلر اینڈ ہول سیلر

اولڈ اینڈ نیو ٹائر ٹیوب مرچنٹ

گیج نوزل ٹنکی کمپونڈ وغیرہ
نزد کرسچن ہسپتال کنری

☆...... پروپرائٹر - مصور علی...... ☆

پانچ بنیادی اخلاق

- سچائی
- نرم زبان کا استعمال
- دوسروں کی تکلیف کا احساس
- وسعت حوصلہ
- مضبوط عزم و ہمت

پر عمل کیجئے

(منجانب! عزیز الرحمان ضلع عمر کوٹ)

پانچ بنیادی اخلاق

☆ سچائی

☆ نرم زبان کا استعمال

☆ دوسروں کی تکلیف کا احساس

☆ وسعت حوصلہ

☆ مضبوط عزم و ہمت

پر عمل کیجئے

منجانب!

زاہد میڈیکل اسٹور لطیف نگر

ضلع عمر کوٹ

دھاتی تاروں سے لکھا گیا لفظ "اللہ"

(۱) سندھی بَیل گاڑی (۲) چرخہ سے لُوم تک۔ کپڑے کا سفر (۳) تنکوں سے بنایا گیا گھر (۴) CNC مشین
(۵) گیانا کا خوش نصیب ملک جس نے جماعتِ احمدیہ کے صد سالہ جشنِ تشکر کے موقع پر یادگاری ٹکٹ جاری کیا۔

Monthly Khalid Rabwah

Regd. No. CPL-139 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz May 1999

مہمانانِ گرامی نمائش دیکھتے ہوئے
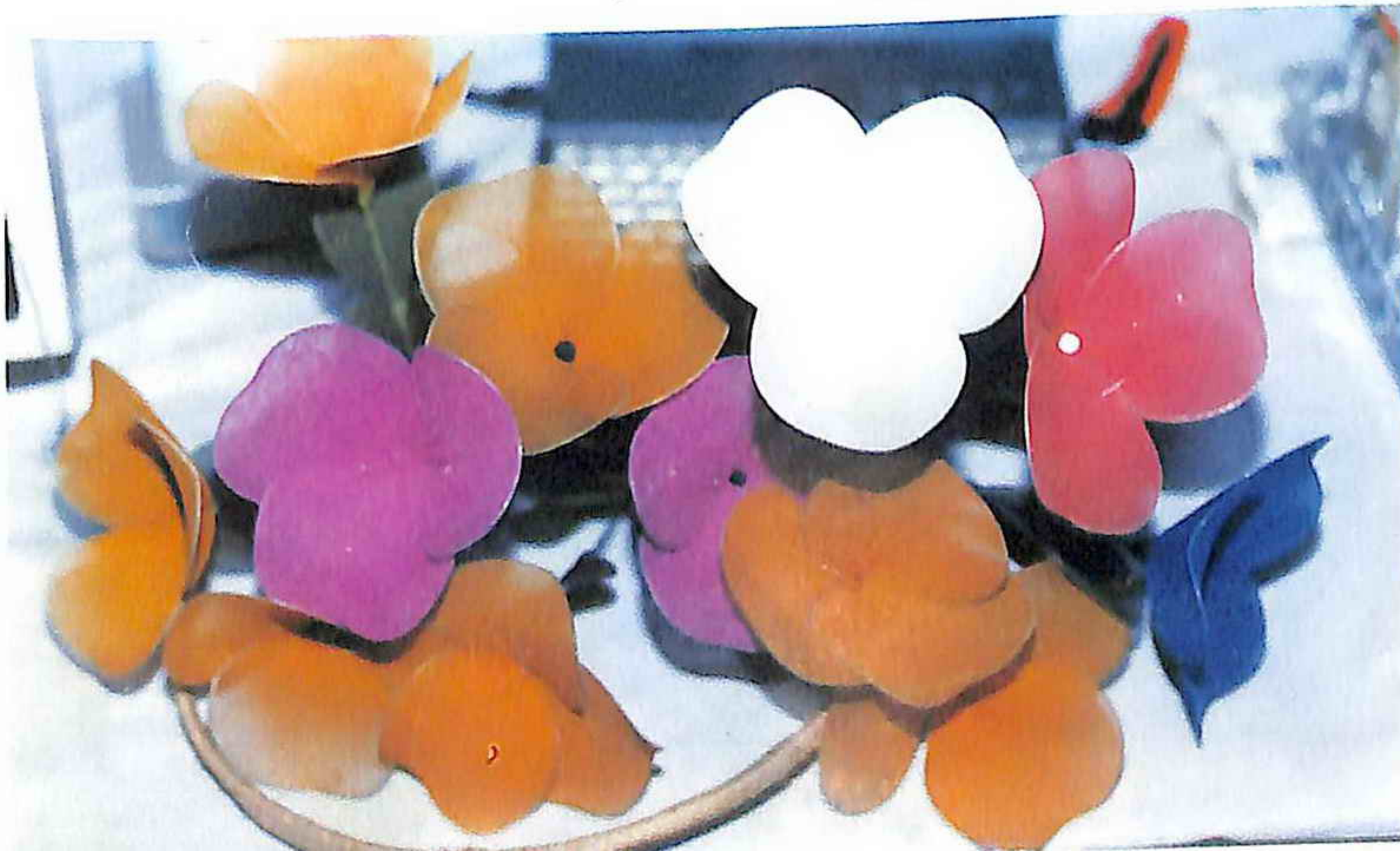
نمائش میں رکھے گئے مصنوعی پھول